العطش

مجموعۂ مراثی

مصنف

سید وحید الحسن ہاشمی

مرتب

شبیہ الحسن

سید وحید الحسن ہاشمی [illegible] اور [illegible]

ہیں۔ [illegible] مرثیہ کو [illegible] اور [illegible] متعلق

اصناف [illegible] شاعری [illegible]

اپنے [illegible]

بہت [illegible] شعرا نے [illegible] کو اتنے توازن اور تناسب

سے [illegible] صورت [illegible] ہوگی۔ ان کے کلام میں روانی، سلاست

اور سادگی [illegible] صفات ہیں۔ ان کا فن جہاں بڑے بڑے

اہلِ علم [illegible] کی تحسین کا مستحق ہے، وہیں عام پڑھا لکھا

آدمی بھی [illegible] کلام سے دل کی گہرائیوں تک متاثر ہوگا۔

ناقدینِ ادب نے بجا طور پر کہا ہے کہ انیس اور دبیر کے

بعد فنِ مرثیہ [illegible] زوال آگیا۔ میں نے "بجا طور پر" کے

الفاظ اس لئے استعمال کئے ہیں کہ انیس و دبیر کے بعد سالہا

سال [illegible] مرثیہ نگاری کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ

[illegible] آلِ رضا، نسیم امروہوی

اور وحید الحسن ہاشمی کے سے مرثیہ نگاروں نے اپنی تخلیقات

سے ناقدینِ ادب کے دعوے کی تنسیخ کر دی۔ مثال کے طور پر

ہاشمی صاحب کے کلام کا مطالعہ کیجئے۔ وہ پورے سانحۂ کربلا

کو، اس کے صحیح سیاق و سباق کے ساتھ، مگر دورِ جدید کے

طرزِ احساس کی روشنی میں، اتنے کمال سے فن کا پیرایہ عطا

کرتے ہیں کہ اردو میں فنِ مرثیہ نگاری عروج کی ایک نئی سطح

کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

احمد ندیم قاسمی

مجلس ترقی ادب

کلب روڈ — لاہور

۴۲۳۴

گرامی قدر پروفیسر ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب

کی خدمت میں بصد خلوص

شبیہ الحسن

۱
۱۰
۸۹ع

العطش

مُصنّف

سیّد وحید الحسن ہاشمی

مُرتّب

شبیہ الحسن

الحبیب پبلیکیشنز

۲۵۳ ر ایلف ، رحمان پورہ ، لاہور
نارتھ ناظم آباد ، کراچی
پاکستان

۱۹۸۹ء

العطش

مصنف: سید وحید الحسن ہاشمی

مرتب: شبیہ الحسن

سرِ ورق : عبدالکریم خالد

خطاطی : محمد بشیر عابد

طابع : شیخ عمران حیدر
کوہِ نور پرنٹنگ پریس، ۱۴ اردو بازار، لاہور۔

قیمت ۶۰ روپے

ملنے کا پتہ

الحبیب پبلی کیشنز ۲۵۳ ۔ ایف، رحمان پورہ، لاہور
نارتھ ناظم آباد ــــ کراچی
پاکستان

ترتیب

اِنتساب

ڈاکٹر باقر زیدی

کے نام !

"العطش"

(قطعہ سالِ طباعت)

کہنے کو "العطش" یہ کتابِ وحید ہے — دراصل آبشارِ ثوابِ وحید ہے
بحروں پہ ہے رواں جو سفینہ کلام کا — موجوں کے سر پہ تاج حبابِ وحید ہے
ہر دور میں جواں نظر آئے گا ان کا فن — افکار میں وہ زورِ شبابِ وحید ہے
بندش میں ہیں کھلے ہوئے ذہنِ رسا کے دَر — ہر بیت، بیتِ خلد مآبِ وحید ہے
مولائے کائنات نے بخشا ہے یہ شرف — مداحِ اہلِ بیتؑ، خطابِ وحید ہے
منبر سے سن کے مرثیہ ہوتا ہے یہ گماں — محفل میں عطر بار گلابِ وحید ہے
اے طالبانِ علم و ادب سیکھو شاعری — آسان تر، جدید، نصابِ وحید ہے
دنیا موازنے کا اٹھاتے اگر سوال — لے آئے جس کے پاس جوابِ وحید ہے
پڑھ لو کتاب، لے لو زیارت کا ثواب — جلوہ نمائے نورِ نقابِ وحید ہے
اس العطش کتاب سے ملتی ہے یہ سند — بے باق روزِ حشر حسابِ وحید ہے

نازاں ہے سالِ طبع، ظہور اس کتاب پر
بہ وجہِ افتخار جنابِ وحید ہے

١٥ ١٤ ١٢٨٢ ٥٦ ٢٨ ١٥

١٤١٠ھ

نتیجۂ فکر: —— سیّد ظہور حیدر جارچوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

شعروادب میں ایسے واقعات زیادہ اہم قرار پاتے ہیں، جو انسان کی اجتماعی زندگی اور معاشرت پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ واقعۂ کربلا محض ایک تخیلی داستان نہیں بلکہ اس واقعے میں معاشرت کرنے کے اعلیٰ اقدار مل جائیں گے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے تاریخی واقعات کی بہ نسبت واقعۂ کربلا نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ حق گوئی، مظلومیت اور تمرد کے خلاف جہاد کرنا، یہ ایسے اعلیٰ اقدار ہیں، جنہوں نے نہ صرف یہ کہ معاشروں کو متاثر کیا بلکہ اس کے اثرات ادب و شعر پر بھی مرتسم کئے۔ یہی سبب ہے کہ اعلیٰ قدروں کی ترویج کے لئے کربلا کو استعارہ بنایا گیا اور ان استعاروں اور تلازموں سے نہایت عمدہ اور کارگر شہ پارے تخلیق کئے گئے۔

بالعموم یہ تأثر دیا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا نے مختلف اصنافِ شعروادب کو متأثر کیا، بطورِ ثبوت غزل، داستان، افسانہ، مثنوی، ناول، نظم، ناولٹ اور دیگر اصناف میں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ کربلا نے محض شعروادب ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ

اُردو شاعری کو متعدّد اصناف سے مالامال بھی کیا۔ سلام، نوحہ اور مرثیہ کا بغور مطالعہ کیجیئے اور اس سوال کا کھوج لگائیے کہ کیا واقعۂ کربلا کے بغیر ان اصناف کا ظہور میں آنا ممکن تھا؟؟

صنفِ مرثیہ وہ ممتاز صنف ہے، جس کا خمیر اسی برِّ صغیر میں تیار ہوا اور یہی وہ صنف ہے کہ جس میں اُردو کے بیشتر اصناف کے محاسن کا جوہر مل جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ مرثیے کی صنف کو برِّ صغیر پاک و ہند سے جو خصوصیت ہے وہ کسی دوسری صنف کو حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ سلام و نوحہ بھی صنفِ مرثیہ کی توسیع ہیں۔

مرثیہ، سلام اور نوحے کے اصناف ہر عہد میں اس لئے مقبولِ خاص و عام رہے کہ ان میں زندگی کی اعلیٰ قدریں پیش کی جاتی رہیں اور اسی سبب سے ان کے ذریعے اعلیٰ تر معاشرتی رویّے ظاہر ہوئے۔ آج بھی مذکورہ اصناف میں واقعۂ کربلا کے حوالے سے زندگی بسر کرنے کے بہترین تصورات مل جائیں گے۔ واقعۂ کربلا کا یہ فیضان ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلّق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلّق اعلیٰ تر معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے۔ عصرِ حاضر میں ایسے شعراء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے، جو اِن اصناف کے حوالے سے معاشرے میں مثبت اقدار کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ انہی میں ایک سیّد وحید الحسن ہاشمی بھی ہیں، جو تقریباً نصف صدی سے مذکورہ اصناف کی آبیاری خونِ جگر سے کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ کربلا کے واقعے کے مختلف پہلوؤں کو جس طرح اجاگر کیا ہے، وہ قابلِ تحسین ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موصوف نے واقعۂ کربلا کے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو معاشرے میں ترویج کا قابلِ قدر فریضہ انجام دیا ہے۔

آپ کا نام نامی اور اسمِ گرامی سیّد وحید الحسن ہے تاہم موصوف اپنے قلمی نام وحید الحسن ہاشمی کے نام سے مقبولِ عام و خاص ہیں۔ آپ ۱۹۳۰ء میں

شیرازِ ہند جونپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا مولوی سید انتظام علی جونپور میں فارسی قصیدے کے ایک مستند استاد تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ کے والد گرامی سید شبیر حسن صفا الٰہ آبادی (۱۸۸۱ء - ۱۹۷۵ء) فارسی، اردو اور ہندی کے صاحبِ دیوان شاعر ہوئے۔ سید وحید الحسن ہاشمی نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن جونپور میں حاصل کی۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول جونپور سے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ انٹرمیڈیٹ کی سند آر۔ ایس۔ کے۔ ڈی۔ انٹر کالج جونپور سے ۱۹۴۶ء میں حاصل کی۔ اس کے بعد الٰہ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ بی۔ اے کا امتحان دے کر جولائی ۱۹۴۸ء میں کراچی تشریف لے آئے، یہاں ایک سرکاری ملازمت کر لی۔ اسی دوران ۱۹۴۸ء میں بی۔ اے کے امتحان کی سند بھی موصول ہو گئی۔ ۱۹۴۹ء میں لاہور تشریف لے آئے اور پنجاب یونیورسٹی میں ایم۔ اے اردو میں داخلہ لے لیا۔

۱۹۵۱ء میں ایم۔ اے اردو کرنے کے بعد درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہو گئے۔ ابتداً وطن اسلامیہ ہائی اسکول میں بطور معلّم اپنے فرائض کی بجا آوری کرتے رہے۔ ازاں بعد نواب مظفر علی خان قزلباش کے قائم کردہ "حسینیہ ہائی اسکول لاہور" میں تیس برس تک صدر معلّم یعنی پرنسپل کی حیثیت میں اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔

۱۹۸۵ء میں شدید علالت کے بعد آپ نے اپنا تبادلہ پاکستان ماڈل ہائی اسکول رحمٰن پورہ لاہور میں کرا لیا اور یہیں سے ۱۹۸۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ آج کل موصوف اپنا بیشتر وقت تصنیف و تالیف میں گزار رہے ہیں۔

سید وحید الحسن ہاشمی ایک علمی و ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد صاحبِ طرز شاعر تھے۔ آپ کے بڑے بھائی سید محبوب الحسن حبیبؔ شعر گوئی میں نہایت زود گو واقع ہوئے تھے اور اپنے زمانے کے

معروف غزل گو شاعر علّامہ آرزو لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے اس گھریلو فضا میں شعری ماحول سے متاثر ہو کر وحید الحسن ہاشمی نے بھی بارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیئے تھے۔ اپنے بڑے بھائی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ۱۹۴۵ء میں آپ نے اپنی پہلی باقاعدہ غزل علّامہ آرزو کو اصلاح کے لئے پیش کی، جس کا مطلع تھا:۔

نہ آنکھوں میں آنسو، نہ لب پر خوشی ہے
عجب کشمکش میں مری زندگی ہے

علّامہ آرزو لکھنوی نے اس غزل کے صرف ایک شعر پہ معمولی اصلاح دی اور توصیفی الفاظ کے ساتھ غزل واپس کر دی۔ آرزو لکھنوی کی اصلاح ملاحظہ فرمائیں:۔

اصل شعر:۔

مبارک مبارک شہیدِ محبت
کہ اس راہ میں موت بھی زندگی ہے

اصلاح شدہ شعر:

مبارک مبارک شہیدِ محبت
کہ اس راہ میں موت ہی زندگی ہے

آپ نے رفتہ رفتہ اپنے کلام کے بل بوتے پر جونپور اور اس کے گرد و نواح میں اپنی شاعرانہ حیثیت کو منوانا شروع کر دیا تھا۔ ہندوستان کے جن مقتدر بزرگ شعراء سے انہیں نیازمندی حاصل رہی۔ ان میں نوح ناروی، جگر مراد آبادی، شفیق جونپوری، صفی لکھنوی، یاس یگانہ چنگیزی، دل شاہجہانپوری، سیماب اکبر آبادی، نجم آفندی، سلام مچھلی شہری، وامق جونپوری اور فراق گورکھپوری کے اسمائے گرامی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

کراچی تشریف لانے کے بعد یہاں کی علمی و ادبی محفلوں میں آپ نہایت

جوش و خروش سے حصّہ لیتے رہے۔ استاد قمر جلالوی سے آپ کے نہایت دیرینہ مراسم تھے اور یہ سلسلہ لاہور آنے تک برقرار رہا۔

شہرِ لاہور کی ادبی فضا اور شعری مذاق اگرچہ کراچی کے علمی اور ادبی ماحول سے قدرے مختلف ہے لیکن وحیدالحسن ہاشمی کی افتادِ طبع نے یہاں خوب خوب جوہر دکھائے۔ آپ کی شاعری کا بیشتر حصّہ لاہور کے ادبی ماحول کا ممنت پذیر ہے۔ یہاں جو جو شعراء آپ کے ہم جلیس اور ہم عصر رہے، ان میں قیوم نظر، احسان دانش، شہرت بخاری، ناصر کاظمی، ہوش ترمذی، احمد ندیم قاسمی، عابد علی عابد، عارف عبدالمتین، سجاد باقر رضوی، طفیل دارا، نشتر جالندھری، رسا جالندھری، قمر میرٹھی، قتیل شفائی، قیصر بارہوی، سیف زلفی، مظفر وارثی، مرتضیٰ برلاس وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

وحیدالحسن ہاشمی علامہ سہیل بلگرامی کی استادانہ لیاقت اور شعری صلاحیتوں کے معرف اور معترف ہیں۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے ان سے غزلوں پر اصلاح لینا شروع کی لیکن ۱۹۵۸ء میں علامہ موصوف رحلت فرما گئے تو آپ سید آلِ رضا لکھنوی سے اصلاح لینے لگے، جو آرزو لکھنوی کے شاگردِ رشید تھے۔ سید آلِ رضا کی وفات (۱۹۷۸ء) کے بعد موصوف نے اپنی افتادِ طبع پر بھروسہ اور مشقِ سخن پر تکیہ کیا، گویا ۱۹۷۸ء سے تلمیذ الرحمٰن ہیں۔

وحیدالحسن ہاشمی نے نثر و نظم دونوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ اصنافِ سخن کے لحاظ سے غزلیں بھی کہیں اور سلام و نوحہ بھی تصنیف کئے۔ مرثیے بھی لکھے اور قصائد و منظومات سے بھی شغف رکھا تاہم صنفِ مرثیہ اور سلام سے آپ کو خصوصیت ہے کہ آپ نے ان اصناف میں سماجی ضرورتوں اور عصری تقاضوں اور طبعی رجحان کے فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے انفرادی سطح سے تجاوز کر کے اجتماعی سطح پر عزائی ادب کے فروغ کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں، جس کے معترف و

معرف جملہ اہلِ پاکستان ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں آپ نے جدید مختصر مرثیے کی ضرورت اور افادیت کا پہلی مرتبہ احساس دلایا اور اس طرح جدید مختصر مرثیے کی بنیاد رکھی، جو ۱۹۷۱ء کے بعد ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ عصرِ حاضر کے مرثیہ نگاروں کے فن میں آج بھی اس تحریک کے بہترین اثرات تلاش کئے جا سکتے ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی ایک عرصے تک علم و ادب کی رزم گاہ کے شہسوار رہے ہیں اور اس میدان میں ان کے کارناموں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تحقیقی حوالے سے علم و ادب کے فروغ کے لئے آپ نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں۔ مختلف رسائل کے آپ مدیر رہے۔ متعدد ادبی انجمنوں اور علمی حلقوں کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ آپ نے جن علمی و ادبی مجلّوں کی ادارت فرمائی ان میں ماہنامہ "وطن"، لاہور (۱۹۵۶ء تا ۱۹۶۲ء)۔ ماہنامہ "پیامِ عمل"، لاہور (۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۷ء)۔ ماہنامہ "تہذیب الاخلاق"، لاہور (۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء) ماہنامہ "تنظیم الاسلام"، لاہور (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۵ء) بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ حال ہی میں آپ نے ماہنامہ "پیامِ عمل"، لاہور کے مدیر کی حیثیت سے اپنے فرائض دوبارہ سرانجام دینا شروع کئے ہیں۔ جن انجمنوں اور ادبی حلقوں کے آپ سیکرٹری رہ چکے ہیں، ان میں ایوانِ ادب لاہور، انجمن اُردو مصنفین لاہور، حلقۂ مصنفینِ پاکستان، حلقہ شعرائے اہلِ بیت پاکستان، مجلسِ یادگارِ آزاد لاہور، مجلسِ یادگارِ انیس لاہور، وغیرہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

وحید الحسن ہاشمی کی زندگی کا بیشتر حصّہ تصنیف و تالیف میں گزرا ہے اور یہ سلسلہ اسی ذوق و شوق سے آج بھی جاری و ساری ہے۔ موصوف کے مطبوعہ تصنیفات و تالیفات کے کتب درج ذیل ہیں:-

۱- الصراط	سلام و نوحہ	۱۹۴۸ء
۲- خون اور آنسو	سلام و نوحہ	۱۹۵۰ء

۲۔ بہتّر پیاسے	سلام و نوحہ	۱۹۵۱ء
۴۔ اجرِ رسالتؐ	سلام و نوحہ	۱۹۵۲ء
۵۔ زبانِ مقتل	سلام و نوحہ	۱۹۵۵ء
۶۔ حیاتِ غم	سلام و نوحہ	۱۹۵۶ء
۷۔ تفسیرِ انقلاب	نظم	۱۹۵۸ء
۸۔ مباحثے	ادبی مضامین (طلبہ کے لئے)	۱۹۶۰ء
۹۔ "عظمتِ انسان" اور جدید فنِ مرثیہ نگاری	آلِ رضا کے مرثیے —— "عظمتِ انسان" پر معروف ناقدین کے مقالات کا مجموعہ	۱۹۶۴ء
۱۰۔ سلامِ وفا	شعراء کے سلام	۱۹۶۹ء
۱۱۔ ناموسِ وفا	مرثیہ	۱۹۷۲ء
۱۲۔ خونِ تبسّم	مرثیہ	۱۹۷۴ء
۱۳۔ شبِ عاشور	مرثیہ	۱۹۷۵ء
۱۴۔ خُلقِ حسنؑ	مرثیہ	۱۹۷۶ء
۱۵۔ حسینؑ اور قربانی	مرثیہ	۱۹۷۷ء
۱۶۔ زندگی	مرثیہ	۱۹۷۸ء
۱۷۔ صبر	مرثیہ	۱۹۸۱ء
۱۸۔ سفیرِ آلِ محمدؐ	مرثیہ	۱۹۸۱ء
۱۹۔ ملیکۃ العرب	مرثیہ	۱۹۸۳ء
۲۰۔ چراغِ صحرا	مجموعۂ سلام	۱۹۸۵ء
۲۱ طاہرین	مجموعۂ منقبت	۱۹۸۸ء
۲۲۔ العطش	مجموعۂ مراثی	۱۹۸۹ء

اس کے علاوہ سیّد وحید الحسن ہاشمی کی درج ذیل تصانیف زیرِ طبع ہیں:

۱۔ بنامِ آں — مجموعۂ نعت

۲۔ شہرِ چراغ — مجموعۂ غزلیات

۳۔ خیالات — مجموعۂ مضامین

سیّد وحید الحسن ہاشمی نے ابھی تک گیارہ مرثیے کہے ہیں، جو پہلی مرتبہ یکجا کر کے شائع کئے جا رہے ہیں۔ اس مجموعے کے دس مرثیے شائع ہو چکے ہیں جب کہ مرثیہ "زنجیرِ سفر" پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔ ان مرثیوں کا ایک اجمالی جائزہ پیشِ خدمت ہے:۔

۱۔ ناموسِ وفا

"ناموسِ وفا" ایک مختصر مرثیہ ۱۹۷۳ء میں تخلیق ہو کر ۱۹۷۴ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ مذکورہ مرثیے کے بندوں کی کل تعداد چالیس تھی، لیکن اس کتاب میں پانچ بندوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ کتابِ ھذا میں "ناموسِ وفا میری نظر میں" کے عنوان سے وحید الحسن ہاشمی کا رقم کردہ دیباچہ بھی موجود ہے، جس میں فاضل مصنف نے اس کی "وجۂ تصنیف، مقصدِ تصنیف اور چند گزارشات" کے عنوان سے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی ہے۔ جدید مرثیہ کے حوالے سے مذکورہ دیباچہ قابلِ توجہ ہے اور اڑتالیس صفحات پر مشتمل، کتاب ہٰذا کے ملنے کا پتہ "۲۵۳۔ ایف، رحمٰن پورہ، اچھرہ لاہور" درج کیا گیا ہے۔

"ناموسِ وفا" نامی مرثیہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ذات سے منسوب ہے۔ تمہید میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہر شے فنا ہو جانے والی ہے لیکن وفا اور اہلِ وفا کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔ شاعر کے خیال میں اس دنیا کی تمام رونق اور معاشرے کے تمدن و تہذیب کا فروغ وفا کی وجہ سے ممکن ہے۔ شاعر نے وفا کے مختلف کیفیات اور کارناموں کے بیان

کرنے کے بعد اپنے اصل موضوع سے رجوع کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وفا بجائے خود دراصل خدا، نبیؐ اور امامؑ کے جذبے کی مظہر ہے۔ اس بناء پر ہر وہ ذات جس نے وفا سے اپنا رشتہ جوڑا ہے، شاعر کے نزدیک قابلِ قدر اور واجب التعظیم ہے۔ اس حوالے سے شاعر نے حضرت زینبؑ کو وفا کی بولتی تصویر قرار دیا ہے۔ معصومہ ثانی کی سیرت و کردار کے مختلف محاسن پیش کرنے کے بعد ثانی زہرؑا کے مصائب کا تذکرہ بڑے دل گداز اور حسرت ناک انداز میں کیا ہے۔ اس مرثیے میں وحید الحسن ہاشمی نے خاص طور پر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے ایسے فکری کارنامے بیان کیے ہیں، جن کی طرف شعراء کی توجہ کم رہی ہے۔ شہادتِ حسین علیہ السلام کے بعد مقاصدِ شہادتِ حسینؑ کے اساسی پہلوؤں کی تشہیر جس طرح حضرت زینبؑ نے کی تھی، شاعر نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس مرثیے میں بین کے متوازی ایک فکری و شعوری رو بھی دوڑتی دکھائی دیتی ہے۔ مجموعی طور پر اس مختصر سے مرثیے میں شاعر نے فنی پہلوؤں سے زائد فکری پہلوؤں کی طرف توجہ دی ہے اور یہی اس جدید مرثیے کی کامیابی کی دلیل ہے۔

۲۔ خونِ تبسم

"خونِ تبسم" بھی ایک مختصر مرثیہ ہے، جو ۱۹۷۴ء میں کہا گیا اور اسی سال طبع ہوا۔ "عرضِ مصنف" کے عنوان سے وحید الحسن ہاشمی نے اپنے قارئین سے بھی اس مرثیے کے بارے میں مختصراً چند گزارشات کئے ہیں، جو مصنف کے نقاطِ نظر کی توضیح و تشریح کے ضمن میں نہایت اہم ہیں۔

یہ مرثیہ کل چھیالیس بندوں اور اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب ہذا پر اشاعت کے سلسلے کے معلومات (ضابطہ) درج نہیں نیز اس کے آخر

میں مصنف کی دیگر تصانیف کی ایک فہرست دی گئی ہے۔

"خونِ تبسم" شہادتِ حضرتِ علی اصغرؑ کے حال میں کہا گیا مرثیہ ہے۔ اس میں شاعر نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ محبت کی روشنی سارے عالم پر محیط ہے اور ہر شے میں اس کی جلوہ گری دیکھی جا سکتی ہے۔ محبت کی ارفع شکل اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق کا قائم ہونا ہے۔ شاعر نے اپنے اصل مقصد کی طرف گریز کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے تاہم اس نے اپنے خاص بندوں سے محبت کرنے کا حکم دے کر اپنی محبت کا ایک وسیلہ فراہم کر دیا ہے۔ شاعر کے خیال میں یہ خاص بندے حضرت محمدؐ اور آلِ محمدؑ ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے تحفظ کے لئے ہمہ وقت قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف سے ننھی سی جان کی سب سے بڑی قربانی کو موضوع بنایا ہے۔ میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کا حضرت علی اصغرؑ کو لے کر جانا اور وہاں ظہور میں آنے والے واقعات کو شاعر نے جدید شعری علامات و اشارات کی صورت میں جس طرح پیش کیا ہے، وہ قابلِ صد ہزار تحسین ہے۔ پورے مرثیے میں ایک فکری ربط اور تسلسل ملتا ہے، جو اس مرثیے کی کامیابی کی بیّن دلیل ہے۔

۳۔ شبِ عاشور

"شبِ عاشور" مختصر مرثیہ ہے، جو ۱۹۷۴ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۷۵ء میں طبع ہوا۔ "اپنی زبان میں" کے عنوان سے سیّد وحید الحسن ہاشمی نے دیباچے میں مختصر مرثیے کے فن کے بارے میں شواہد کے ساتھ چند تاریخی باتیں بیان کی ہیں اور زیرِ نظر مرثیے کے بارے میں بعض اہم نکات پیش کئے ہیں۔

یہ مرثیہ چالیس بندوں پر مشتمل ہے۔ نامی پریس لاہور سے مذکورہ مرثیہ پانچ سو کی تعداد میں شائع ہوا۔ کتاب کے آخر میں مصنف کے دیگر تصانیف کی ایک فہرست بھی فراہم کی گئی ہے۔

"شبِ عاشور"، اردو مرثیے کی تاریخ میں غالباً عاشور کی شب کے موضوع پر لکھا جانے والا پہلا مرثیہ ہے۔ اس سے قبل شبِ عاشور کی فضیلت اور عظمت پر جدید مرثیہ نگاروں نے جستہ جستہ اشارے ضرور کئے ہیں تاہم اس موضوع پر مبسوط اور مکمل مرثیہ راقم الحروف کی نظر سے اب تک نہیں گزرا۔ اس کے آغاز میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ بشر کائنات میں خالقِ دوجہاں کا کمال اور احسن تقویم ہے، لہٰذا تخلیقِ کائنات کے لیے وہی موجبِ افتخار ہے۔ شاعر نے ابتداً انسان کی فضیلت اور برتری آشکار کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اعلیٰ تر اقدار کا حامل وہی شخص ہو سکتا ہے، جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی عمر بھر بجاآوری کرتا رہے اور ذاتی مفادات کو احکاماتِ الٰہی کے سامنے پسِ پشت ڈال دے۔ اس حوالے سے شاعر نے خدا اور رسولؐ کے دین کو بچانے، اللہ کی حاکمیت اعلیٰ قائم کرنے اور انسان پر انسان کی حاکمیت کو رد کرنے کی خاطر صحرا میں جان دینے والے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بطورِ نمونہ پیش کیا ہے۔ آخر میں شاعر نے شبِ عاشور کی فضیلت، اہمیت اور اثرات کے حوالے سے بعض اہم نکات پیش کئے ہیں۔ شاعر کے نزدیک شبِ عاشورہ دراصل التفاتِ خداوندی کی امین ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقائے کار نے یہ رات محض عبادتِ خداوندی ہی میں بسر نہیں کی بلکہ عبودیت کی سنہری تاریخ بھی رقم کی ہے۔ یہی سبب ہے کہ شاعر نے اس رات کو شبِ قدر کی آبرو قرار دیا ہے۔ آخر میں شاعر نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی زبان سے المناک کلمات ادا کئے ہیں۔

اس مرثیے کی آخری بیت میں شاعر نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کر دی ہے :ے

ٹوٹے دلوں کو آس کا مرہم نہ دے سکی
یہ رات چند پھولوں کو شبنم نہ دے سکی

۴۔ خُلقِ حسنؑ

"خلقِ حسنؑ" نامی مرثیہ ۱۹۷۶ء میں ضیغم اسلام اکیڈمی سمن آباد لاہور کی جانب سے "تصویرِ حسنؑ" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے مرتب ڈاکٹر عسکری بن احمد نے اس کتاب میں ذکرِ حسنؑ کے نام سے علامہ ضیغم اسلام کا ایک مضمون اور شبیہِ خُلقِ عظیم کے عنوان سے اپنے معروضات بھی شامل کئے ہیں۔ چونسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مرثیے کے بندوں کی کُل تعداد بیالیس ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں یہی مرثیہ مزید چار بندوں کے اضافے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

"خلقِ حسنؑ" میں شاعر نے رسُول صَلّی اللہ علیہ وَآلہٖ وَسَلّم کے نواسے حضرت امام حسن علیہ السّلام کی سیرت و کردار کو موضوع بنایا ہے۔ خاص طور پر شاعر نے حضرت امام حسنؑ کے اخلاقِ حسنہ کو مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے۔ مرثیے کے آغاز میں شاعر نے یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ اخلاق کے حدود میں تمام کائنات سما جاتی ہے۔ اس کے بعد شاعر نے اخلاق کی مختلف جہتوں اور پرتوں کو آشکار کرتے ہوئے حضورِ اکرم صَلّی اللہ علیہ وَآلہٖ وَسَلّم اور ان کی آلؑ کو خلقِ عظیم قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے خاص طور پر حضرت امام حسنؑ کو حضورِ اکرمؐ کے اخلاقِ عظیم کا ایک پرتو قرار دیا ہے اس کے بعد شاعر نے حضرت امام حسن علیہ السّلام کی سیرت اور کارناموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان کے جملہ محاسن جدید شعری تلازمات کے

ساتھ پیش کر دیئے ہیں۔ خاص طور پر شاعر نے حضرت امام حسنؑ کی صلح کو تتمۂ صلحِ رسولؐ قرار دیا ہے۔ اس مرثیے میں شاعر نے حضرت امام حسنؑ کے طرزِ عمل کے حوالے سے بعض اعتراضات کا بھی جائزہ لیا ہے تاہم اس مرثیے کی خوبی یہ ہے کہ معترض کے اعتراضات بڑی نفاست اور شائستگی سے عقلی استدلال کی سطح پر رد کئے گئے ہیں۔ اس مرثیے سے مجموعی طور پر شاعر کی فکری و فنی پختگی جھلکتی ہے۔

۵۔ حسینؑ اور قربانی

''حسینؑ اور قربانی'' کے عنوان سے جو مختصر مرثیہ اس مجموعے میں شامل ہے اسے حلقۂ شعرائے اہلِ بیتؑ پاکستان کے تعاون سے ۱۹۷۷ء میں طبع کرایا گیا ہے۔ اس کتاب کا دیباچہ پروفیسر محمد اشرف نے تحریر کیا ہے، جس میں انہوں نے وحید الحسن ہاشمی کے فکر و فن پر روشنی ڈالی ہے۔ نامی پریس لاہور سے شائع شدہ اس کتاب کے کل صفحات چھپن ۵۶ ہیں جب کہ مرثیہ ہذا پچاس ۵۰ بندوں پر مشتمل ہے۔

''حسین اور قربانی'' نامی مرثیے میں شاعر نے عصرِ حاضر کے بعض اہم اور قابلِ توجہ مسائل پیش کئے ہیں۔ شاعر کا خیال ہے کہ موجودہ زمانے کا ''آدمی'' مختلف اسباب کی بنا پر وہم و گمان کے دشت میں حیران و پریشان کھڑا ہے۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس میں منافقت در آئی ہے اور اب وہ دین کا رہا ہے، نہ دنیا کا۔ اس کے مدِ مقابل شاعر نے کچھ ایسے نفوس کا بھی تذکرہ کیا ہے، جو خدا کے حقیقی شیدائی اور پرستار ہیں اور اس کے دین کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ شاعر کے نزدیک اہلِ بیتِ رسولؐ ہی وہ نفوسِ قدسیہ ہیں، جو اصل میں قربانیوں کا حسنِ مجسم ہیں۔ شاعر کا مؤقف یہ ہے کہ اگرچہ دینِ حق کی خاطر قربانیاں

دینے والوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے تاہم جس طرح حضرت امام حسین علیہ السّلام نے کربلا کے میدان میں بے سرو سامانی کے عالم میں اپنی قربانیوں کے نذرانے پیش کئے ہیں، اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ مرثیے کے آخر میں شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کی عدیم المثال قربانی یعنی شہادتِ علی اصغرؑ کو موضوع بنایا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کا دینِ حق کی خاطر پیش کیا جانے والا معصوم اور شیر خوار بچے کا یہ نذرانہ آج بھی اہلِ درد کی آنکھوں کو پرنم کرنے کا موجب بنتا ہے۔ خاص طور پر مرثیے کے آخری پندرہ بند اپنے اندر درد والم کی ایک ایسی دنیا لئے ہوئے ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد بڑے سے بڑا سنگدل انسان بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شاعر نے اس مرثیے میں انسانی سائیکی کو ملحوظ رکھ کر بڑے سلیقے سے کام لے کر حزنیہ ماحول پیدا کیا ہے۔ مجموعی طور پر اس مرثیے کو ہم "آشوبِ عصر" بھی قرار دے سکتے ہیں۔

۶- زندگی

"زندگی" کے عنوان سے یہ مختصر مرثیہ ۱۹۷۸ء میں حلقۂ مصنّفینِ پاکستان لاہور نے حلقۂ شعرائے اہلِ بیتؑ کے تعاون سے شائع کیا۔ اس مرثیے کے آغاز میں وحید الحسن ہاشمی نے جدید مرثیے کے لوازمات اور تقاضوں کے حوالے سے چند نکات پیش کئے ہیں، جو اپنے طور پر بعض فکری مباحث قائم کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ یہ مرثیہ چھپّن بندوں پر مشتمل ہے۔ نامی پریس لاہور سے شائع شدہ مرثیہ پانچسو کی تعداد میں شائع ہوا اور اس پر ملنے کا پتہ امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ انار کلی لاہور درج ہے۔

"زندگی" نامی مرثیہ حضرت امام حسینؑ کے لختِ جگر، شبیہ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے حوالے سے تخلیق ہوا۔ اس مرثیے میں شاعر نے ابتداً زندگی کے مختلف رنگ روپ پیش کئے۔ شاعر کا موقف ہے کہ

زندگی جمالِ کل کا مظہر ہے۔ شاعر نے زندگی کے آغاز و ارتقاء کو مختلف تشبیہات استعارات اور تلمیحات سے اجاگر کیا ہے۔ شاعر نے مختلف انبیاءِ کرامؑ کی متنوع شخصیات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نہایت خوبصورت طریقے سے زندگی کے سفر کو پیش کیا ہے۔ شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے شروع ہونے والی زندگی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پیکر میں نقطۂ کمال کو پہنچی۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد آمریت اور استعمار کے شیش ناگ اس زندگی کو ڈسنے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ اس صورتِ حال میں زندگی کو بے یار و مددگار دیکھ کر حضرت امام حسین علیہ السّلام محافظِ حیات کے روپ میں سامنے آئے، بقول شاعر: ؎

مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو

اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

حضرت امام حسین علیہ السّلام نے زندگی کی اس پکار پر لبیک کہا اور اپنے جوان بیٹے حضرت علی اکبرؑ کی سمت دیکھ کر کہا کہ: ؏

"سائل کو آج اپنی جوانی عطا کرو"

اس کے بعد شاعر نے حضرت علی اکبرؑ کی شخصیت اور کردار کے مختلف محاسن بیان کئے ہیں۔ مرثیے کے آخر میں شاعر نے واقعۂ شہادتِ علی اکبرؑ کو نہایت دل گداز انداز میں پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک وقیع مرثیہ ہے۔ اس کا سب سے نمایاں وصف اس کا اسلوب ہے، جس میں روانی اور تسلسل ہے۔ شاعر نے پورے مرثیے میں جو ایک فکری تسلسل قائم رکھنے کی شعوری کوشش کی ہے، وہی اس کا حسن ہے۔ یہی سبب ہے کہ پورے مرثیے میں پہلے بند سے لے کر آخری بند تک فکر و فن کی دلکش ہم آہنگی دکھائی دیتی ہے۔

۷۔ صبر

"صبر" نامی مرثیہ ۱۹۷۹ء میں کہا گیا اور حلقۂ اردو مصنفینِ پاکستان لاہور

نے حلقۂ شعرائے اہل بیت کے تعاون سے ۱۹۸۱ء میں لاہور سے پانچ سو کی تعداد میں شائع کیا۔ چونسٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی ابتداء میں "مرثیہ اور روایت" کے عنوان سے مصنف وحید الحسن ہاشمی نے ایک مبسوط دیباچہ تحریر کیا ہے، جس میں عصرِ حاضر اور جدید مرثیے کی ضرورت اور تقاضے کے موضوع پر بعض اہم نکات پیش کیے گئے ہیں۔ اس مرثیے کے بندوں کی کل تعداد چھپن[56] ہے۔

"صبر" نامی مرثیے میں شاعر نے صبر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر نے ابتداء میں یہ نظریہ وضع کیا ہے کہ صبر مسیحائے جہاں ہے، لہٰذا اسے گردشِ دوراں کا کوئی خوف یا ڈر نہیں ہوتا۔ شاعر نے صبر کو اوصافِ انبیاءؑ سے منسلک قرار دیا ہے۔ شاعر کے نزدیک صبر بے شمار لذتیں رکھتا ہے تاہم کم ظرف اصحاب صبر کی دولت سے تہی اور اس کی اہمیت سے عمر بھر ناآشنا رہتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ انبیاء کرامؑ نے اپنی زندگی کے کٹھن لمحات صبر کی بدولت کاٹے ہیں۔ شاعر کے خیال میں صبر کی اصل اور کامل منزل دامنِ ختم الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حضورؐ کے زمانے ہی سے "شر" نے صبر و خیر کے نظام کو تہہ و بالا کرنے کی سازشیں شروع کر دی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ نے ایک صابر کی حیثیت سے جو کارنامے سرانجام دیئے ہیں، شاعر نے بڑی مہارت سے انہیں مرثیے کا حصہ بنایا ہے۔ آخر میں شاعر نے میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی صبر کی قوت کے مختلف کارنامے پیش کیے ہیں۔ اس کے بعد صبر کے ایک اہم نمائندے کے طور پر شاعر نے سید سجاد حضرت امام زین العابدینؑ کے مصائب پیش کیے ہیں۔ مجموعی طور پر اس مرثیے میں شاعر نے موضوع کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ پورے مرثیے میں فکری ربط اور تسلسل دکھائی دیتا ہے۔

۸- سفیرِ آلِ محمدؐ

"سفیرِ آلِ محمدؐ" نامی مرثیہ ۱۹۸۰ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۸۱ء میں سید مظہر عباس نے اپنے برادرِ خرد سید ناصر عباس مرحوم کے چہلم کے موقع پر شائع کرایا۔ ابتدائی صفحات میں ناصر عباس مرحوم کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کی ہیں۔ یہ مرثیہ اڑسٹھ ۶۸ بندوں پر مشتمل ہے۔ مرثیے سے قبل وحید الحسن ہاشمی کا ایک "قطعہ بر وفات سید ناصر عباس مرحوم" بھی شامل کیا گیا ہے۔ چالیس صفحات پر مشتمل اس کتاب پر الیس۔ ایم۔ عباس اینڈ سنز نوشہرہ ورکاں ضلع گوجرانوالہ کا پتہ درج ہے۔

"سفیرِ آلِ محمدؐ" نامی مرثیے میں شاعر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سفیر حضرت مسلم بن عقیلؑ کے فضائل و مصائب بیان کئے ہیں۔ ابتدا میں شاعر نے سفیر کو ذہن وطن کا آئینہ بردار قرار دیا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ سفارت کا منصب کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتا ہے بلکہ یہ منصبِ جلیل ایک نعمتِ خدا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ خالقِ کائنات نے اس دنیا میں اپنے بیشمار سفیر بھیجے، جنہوں نے اپنے کردار اور اعمال سے قلبِ انسانی کو خیر کی جانب موڑنے کی کوشش کی۔ سفیر آتے رہے اور حق کا یہ سفر جاری رہا، یہاں تک کہ عہدۂ سفارت حضرت عمرانؑ کے سپرد ہوا۔ آپ نے اس منصبِ جلیل کو وقار عطا کیا۔ انہوں نے ہر اس رویّے اور طرزِ عمل کی بیخ کنی کی جو دینِ اسلام کے لئے مضر ثابت ہو سکتا تھا۔ شاعر نے گریز کرتے ہوئے حضرت مسلم بن عقیلؑ کو حضرت عمرانؑ کا نمائندۂ خاص قرار دیا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے حضرت مُسلم بن عقیلؑ کی مدح و ستائش کی ہے۔ ان کے آبا و اجداد کے کارنامے بیان کئے ہیں اور ان کے سوانحِ حیات شاعرانہ پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد شاعر نے مسلمؑ ذی جاہ کو سفیر حضرت امام حسینؑ کی حیثیت سے کوفے روانہ ہونے کا منظر نہایت دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ کوفے میں

حضرت مُسلم بن عقیلؑ کے کارناموں اور دشمنوں کی سازشوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور آخر میں ان کی ولولہ انگیز شہادت کو انتہائی دردناک انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ ایک ندرت رکھتا ہے کہ شاعر نے حضرت مُسلم بن عقیلؑ کے کردار کے ایک خاص پہلو کو نمایاں کر کے پورے مرثیے کا تانا بانا بُنا ہے۔

۹۔ ملیکۃ العرب

"ملیکۃ العرب" نامی مرثیہ ۱۹۸۲ء میں تخلیق ہوا اور ۱۹۸۳ء میں حلقۂ شعرائے اہلِ بیت پاکستان کے تعاون سے کتابی صورت میں سامنے آیا۔ اس کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ موصوف نے سیّد وحید الحسن ہاشمی کے شخصی تعارف کے بعد ان کے مطبوعہ تخلیقات کی طرف توجہ دلائی ہے اور آخر میں اس مرثیے کے فکری اور فنّی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مرثیہ کل اکسٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔ بہتّر صفحات پر مشتمل اس کتاب کا ہدیہ "دعائے خیر" ہے۔

"ملیکۃ العرب" نامی مرثیے میں شاعر نے زوجۂ رسولؐ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی سوانح، سیرت، ماحول اور کارناموں کو موضوع بنایا ہے۔ اُردو زبان میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے حال میں لکھا جانے والا غالباً یہ پہلا مبسوط مرثیہ ہے، جس میں شاعر نے شروع سے آخر تک موضوع کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اس مرثیے میں شاعر نے اوّلاً عقائد کے بعض بنیادی مسائل چھیڑے ہیں اور اس کے بعد نہایت پُر مغز اور مدلل انداز میں ان کی توضیح و تشریح کی ہے۔ شاعر نے مرثیے کے آغاز میں یہ مؤقف اختیار کیا ہے کہ منافقین نے اسلام کی اصل رُوح کو ختم کرنے کے لئے اسلام پر بغض و عناد کے تیر برسائے اور اس تیر کا نشانہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ بھی بنیں۔

شاعر نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے حوالے سے پیدا ہونے والی بعض غلط فہمیوں کو بھی دُور کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعر کا مؤقف واضح ہے کہ حضرت خدیجہؑ کی آمد سے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اطمینانِ قلب نصیب ہوا اور انہی کے سبب اس جہان میں نسلِ مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم آج بھی موجود ہے۔ شاعر نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا موازنہ حضرت مریمؑ، حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہؑ سے کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فضیلت و سعادت میں حضرت خدیجہؑ سب سے افضل و محترم ہیں۔ مرثیہ کے آخر میں شاعر نے حضرت زینبؑ کو ریاضِ خدیجہؑ کا ایک پھُول قرار دیا ہے۔ حضرت زینبؑ نے بعد شہادتِ حسینؑ جس طرح سے مقاصدِ حسینؑ کی تبلیغ و اشاعت کی ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آخر میں شاعر نے انتہائی الم ناک انداز میں شہادتِ حسین علیہ السّلام کے بعد کے حالات قلم بند کئے ہیں اور خاص طور پر اس حوالے سے حضرت زینبؑ کا کردار پیش کیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ مرثیہ دو جہتوں میں دیگر مرثیوں سے مختلف ہے۔ اوّلاً شاعر نے اس مرثیے میں عقائد کے بعض بنیادی سوالات اٹھا کر ان کے تشفی بخش جوابات دیئے ہیں۔ ثانیاً اس میں شاعر نے نفیاتی اور دھیمہ لہجہ چھوڑ کر بلند آہنگ اور دبنگ لہجہ اختیار کیا ہے۔

۱۰۔ زنجیرِ سفر

۵۶

"زنجیرِ سفر" نامی مرثیہ ۱۹۸۷ء کی یادگار ہے۔ چھپّن بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوا اور اب اس کتاب کے ذریعے پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آرہا ہے۔

"زنجیرِ سفر" نامی مرثیہ سیّد سجّاد حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کے حال میں کہا گیا ہے۔ اس مرثیے میں شاعر نے شہادتِ حسین علیہ السّلام کے بعد

مقاصدِ شبیرؑ کی نشر و اشاعت کیلئے حضرت زین العابدینؑ کے سفر کو بعض منفرد تشبیہات و علامات کے ذریعے پیش کیا ہے :۔

"تکمیلِ سفر کیجیے زنجیرِ سفر سے"

کہہ کر شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر مقصد ارفع و اعلیٰ ہو تو مسافر کے عزم کو جابر کا ظلم و ستم نہیں روک سکتا۔ اس سلسلے میں شاعر نے سیدّ سجادؑ کی مثال پیش کی ہے کہ جنہوں نے دینِ حق کی خاطر طرح طرح کے صدمات برداشت کئے۔ اس کے بعد شاعر نے اپنے ممدوح کی سیرت و کردار کے مختلف اوصافِ حمیدہ بیان کئے۔ اردو شاعری میں غالباً پہلی مرتبہ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کو عربی و عجمی تہذیب کے ملاپ کا بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ آخر میں شاعر نے جناب سیدّ سجادؑ کے کارناموں کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے کس طرح حضرت امام حسین علیہ السّلام کے پیغام کو عوام الناس تک پہنچایا اور اپنے صبر کے وار سے دشمنوں کو نیست و نابود کر دیا۔

اس طرزِ عمل کا مقصد صرف یہ تھا کہ انسان کی فکر کسی نہ کسی طرح سے بیدار ہو تاکہ وہ کذب و صداقت کے مابین فرق و امتیاز قائم کر سکے۔ آخر میں شاعر نے حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کے دورانِ سفر کے مصائب کا بیان انتہائی دردناک انداز میں کیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرثیہ وحید الحسن ہاشمی کے دیگر مرثیوں سے قطعاً مختلف اور منفرد ہے۔ غالباً یہ واحد مرثیہ ہے، جس میں شاعر نے ابتداء ہی سے ایک المیہ صورتِ حال پیش کر کے پورے مرثیے میں غم و اندوہ کی لہر دوڑا دی ہے۔ یہی اس مرثیے کی خوبی ہے۔

۱۱۔ سرکارِ وفا

"سرکارِ وفا" نامی یہ مختصر مرثیہ ۱۹۸۸ء میں تخلیق ہوا اور آغا قمر حسنین نے

۱۹۸۹ء میں "لہو لہو کہکشاں" نامی کتاب میں دیگر مرثیوں کے ساتھ اسے بھی شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں کراچی و لاہور کے سات مرثیہ گو شعراء کے مرثیے اور انیس سلام گو شعراء کے سلام شامل ہیں۔ "احوالِ واقعی" کے حوالے سے مرتّب نے اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں بعض باتیں بیان کی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ہلال نقوی کا ایک مبسوط مقدمہ بھی اس کتاب میں شامل ہے، جس میں موصوف نے اپنی علمی بصیرت اور ذاتی نقطۂ نظر سے مرثیہ گو شعراء کا تعارف کرایا ہے اور جدید مرثیے کے بارے میں بعض معروضات پیش کئے ہیں۔ یہ کتاب ادارۂ تقدیسِ قلم کے تعاون سے کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

"سرکارِ وفا" نامی مرثیہ علمبردارِ فوجِ حسینؑ حضرت عباسؑ کے حال میں رقم کیا گیا ہے۔ اس مرثیے میں حضرت عباسؑ کے فضائل و مصائب بلند آہنگی سے بیان کئے ہیں۔ شاعر نے آغاز ہی میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وفا سلطنتِ حق ہے اور اس کا نظام عباسؑ ہیں۔ شاعر کا خیال ہے کہ حضرت عباسؑ کی پوری زندگی حق و صداقت کی علمبردار تھی، کیوں کہ آپ کی پرورش و پرداخت خاص خانۂ زہراؑ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد شاعر نے ان کے بچپن اور جوانی تک کے حالات اور کارنامے انتہائی اختصار سے بیان کئے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقاء میدانِ کربلا میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کر رہے تھے تو اس وقت حضرت عباسؑ کا جلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ شاعر نے حضرت عباسؑ کے لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے تیور نہایت چابکدستی سے پیش کئے ہیں۔

آخر میں شاعر نے نہایت خوبصورتی سے حضرت عباسؑ کی مشروط جنگ اور ان کے حصولِ آب کا تذکرہ نہایت دردناک انداز میں کیا ہے۔ آخر میں شاعر نے حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد دل کو ہلا دینے والے بین پیش

کیے ہیں۔ مجموعی طور پر حضرت عباسؑ کے حال میں لکھا جانے والا یہ مختصر مرثیہ ان کے صفات و کمالات کا ایک عمدہ اور نادر نمونہ ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مختلف تاریخی، سیاسی اور معاشی اسباب کی بناء پر برِّصغیر پاک و ہند کے معاشرے میں شکست و ریخت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ اس ٹوٹ پھوٹ کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پورے معاشرے میں اب کیا ہوگا ۔۔۔؟؟ کے اندیشے پائے جانے لگے۔ اس صورت حال نے معاشرے کے دوسرے دوائر کی طرح اَدَب کے دائرے کو بھی متاثر کیا۔ اس دَور کی شاعری کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس گومگو اور پژمردہ صورت حال کے سبب سے شعر واَدب میں ایک طرف تو مایوسی، اضمحلال اور تھکن کا لہجہ ظاہر ہوا اور دوسرے رُخ پر اس کے ردِّ عمل میں ایک تند و تیز، گھمبیر اور دبنگ لہجہ معرضِ وجود میں آ گیا۔ ان دونوں لہجوں کا مطالعہ کیجیے تو یہ ایک ہی جیسے حالات کا نتیجہ ہوں گے۔ اس زمانے میں سیاسی اور معاشی صورت حال کی وجہ سے شعر واَدب میں بھی ایک زبردست مزاحمت اور احتجاج کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ بیشتر اصناف اپنا اپنا چولا بدل رہے تھے۔ چنانچہ مرثیے نے بھی عصری مسائل کو جذب کیا۔ یہی سبب ہے کہ بیسویں صدی کے بیشتر مسائل آپ کو اس زمانے کے مرثیوں میں ضرور ملیں گے۔

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ خوش بختی سے اس تحریک کو ابتداء ہی میں اکابر شعراء کا قلمی تعاون حاصل ہو گیا۔ اس تحریک کے دیگر بنیادی مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ شعر واَدب کو زندگی کے مسائل اور معاملات کی ترجمانی کرنا چاہیئے تاکہ شعر واَدب عوام النّاس میں فکری انقلاب کا ذریعہ بن سکے۔ اس طرزِ احساس نے ہر صنف میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت کا احساس پیدا کیا۔ اسی سوچ نے پہلی مرتبہ مرثیے میں بعض انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت کا احساس دلایا۔ لہٰذا اس سلسلے میں نجم آفندی، آلِ رضا، جوشؔ ملیح آبادی،

جمیل مظہری اور نسیم امروہوی نے اپنے اپنے مزاج، طبائع اور صلاحیتوں کے مطابق صنفِ مرثیہ میں فکری انقلابات برپا کئے۔ اس سلسلے میں خاص طور پر آلِ رضا نے مرثیے کے مزاج و مذاق میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جب کہ جوش ملیح آبادی نے افکار کے ساتھ ساتھ مرثیے کے اسلوب میں بلند آہنگی، طنطنہ اور خطابت کا زور پیدا کیا جسے رثائی ادب میں قابلِ قدر اضافہ قرار دیا گیا۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ آلِ رضا اور جوش ملیح آبادی نے مرثیے کی صنف کو نئے ذائقوں سے روشناس کرایا اور مرثیے کو شہادتِ حسینؑ کے بکائیہ بیان کے تنگنائے سے نکال کر شہادتِ حسینؑ کے مقصدی اور افادی پہلوؤں کی طرف لگایا۔ مرثیے کی تاریخ میں یہ ایک ایسا فکری و فنّی اجتہاد ہے، جس نے مرثیہ نگاری کے فن میں ایک توانا جہت کا اضافہ کیا۔

وحید الحسن ہاشمی اس لحاظ سے قابلِ توجہ مرثیہ نگار ہیں کہ ان کے مرثیوں میں جوش اور آلِ رضا کے فنّی و فکری محاسن یکجا ہو گئے ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی جوش ملیح آبادی کے پرستار اور آلِ رضا کے عزیز شاگرد ہیں۔ اسی سبب سے ان کی شاعری دو متنوع ذائقوں کا حسین اور دلچسپ مرقع بن گئی ہے۔ وحید الحسن ہاشمی جوش کی طرح استعماری قوتوں کے سخت خلاف ہیں۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں استعمار کی پھیلی ہوئی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی جو کوشش کی ہے اس نے ان کے شعری مقام و مرتبہ کو نہایت بلند کر دیا ہے۔ استعماری قوتوں کے خلاف شعری محاذ آرائی پر جوش ملیح آبادی کا ہاشمی صاحب کے فن پر واضح اثر دکھائی دیتا ہے۔ مختلف مرثیوں سے سرسری طور پر انتخاب شدہ بند ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ کس طرح وحید الحسن ہاشمی نے جوش کی تقلید میں ملوکیت، بادشاہت اور استعماریت کے خلاف اپنے نظریات پیش کئے ہیں: ؎

اسلام کے لباس میں شاہی تھی جلوہ گر　　دینِ خدا تھا دستِ حکومت میں بے اثر
دھند لا گئی تھی شام میں قرآن کی نظر　　بیٹھا تھا کفر مسندِ آلِ رسولؐ پر
بس اک نظر سے وقت کے فرعون کٹ گئے
زینبؑ بڑھی تو کفر کے سائے سمٹ گئے

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

اب پیکرِ یزید میں اُبھرا غرورِ شام　　اب ظلمتوں کے سنگ تھے اور زندگی کا جام
بولا غبار چاہیئے سورج سے انتقام　　اب کربلا کا دشت تھا اور وقت کا امام
مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو
اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

(مرثیہ: زندگی)

ہر ظلم کا انجام ہے ظالم کی تباہی　　جاگے گا جب انساں تو بکھر جائیگی شاہی
چھو سکتی نہیں نور کو ظلمت کی سیاہی　　میزان کی عظمت ہے فقط عدلِ الٰہی
تہذیب کے ہر دور میں بدنام رہے گی
ہوگی نہ وہاں صبح، جہاں شام رہے گی

سجّادؑ نے اس فکر کے جادو پہ کیا وار　　دیکھا سوئے حاکم تو لرزنے لگا دربار
شبّیرؑ کے چہرے پہ نظر، لب پہ یہ گفتار　　زنجیر ہلائی تو ہلا مجمعٔ کفّار!
حاکم کا کوئی حکم نہ منشور چلے گا
اب دہر میں عاشور کا دستور چلے گا

(مرثیہ: زنجیرِ سفر)

زینبؑ سے آدمی کے چلن کو بقا ملی　　زینبؑ سے ہمّتِ بشری کو جلا ملی
زینبؑ سے اہلِ درد کو سطحِ وفا ملی　　زینبؑ سے شام میں خبرِ کربلا ملی
شاہی کے جم سکے نہ قدم تھرتھرا گئی
زینبؑ حسینیت کی صدا بن کے چھا گئی

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

سیّد وحید الحسن ہاشمی نے جوشؔ اور آلِ رضا کی طرح معاشرے کے اعلیٰ تر اقدار کی پامالی کا ذکر بطریقِ تاسف کیا ہے۔ ان کے تمام مرثیوں کا مطالعہ کیجیئے۔ ان میں آپ کو جگہ جگہ زمانے کی ناگفتہ بہ حالت کا نقشہ ملے گا اور ان خرابیوں کی نشان دہی ملے گی، جن سے معاشرے میں اعلیٰ تر اقدار پامال ہو رہے ہیں۔ یہ رویّہ اس اعتبار سے قابلِ قدر اور لائق صد تحسین ہے کہ شاعر کا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے اشعار کے آئینے میں قوم کے ہر فرد کو اس کی اصل صورت دکھا دے۔ درج ذیل بند ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیئے کہ کس طرح شعری پیرائے میں فرد اور قوم کی حالتِ زار کا ذکر کیا گیا ہے:

وہم و گماں کے دشت میں حیراں ہے آدمی　　اک مستقل خیالِ پریشاں ہے آدمی
خود اپنی زندگی سے گریزاں ہے آدمی　　ہر دم شکارِ گردشِ دوراں ہے آدمی
دوشِ نظر سے چادرِ غیرت اتار کے
دنیا لٹے ہے دین کی توفیق ہار کے

ہر ذات اپنی ذات سے رسوا ہے ان دنوں　　عقبیٰ کے رخ پہ غازۂ دنیا ہے ان دنوں
سستا بہت ضمیر کا سودا ہے ان دنوں　　غیرت کسی غریب کا لاشہ ہے ان دنوں
کتنا حسیں فریبِ نظر کھا رہے ہیں لوگ
دو کشتیوں میں پاؤں ہیں اور جا رہے ہیں لوگ

———————— (مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

دولتِ صبر سے ہو جائے جو ملت محروم　　اسکی قسمت میں کہاں فکر کے تابندہ نجوم
اسکا احساس فنا، اس کی قیادت معدوم　　ایک معنی میں کہا جاتا ہے اس کو مرحوم
قوم بے صبر سہاروں پہ گزر کرتی ہے
غیر کے پاؤں سے خود اپنا سفر کرتی ہے

———————— (مرثیہ: صبر)

صبر سے دُور ہو ملّت تو وہ ملّت کیا ہے — جوش بے ہوش کی دنیا میں حقیقت کیا ہے
شب میں گہنائے ہوئے چاند کی وقعت کیا ہے — خود جو محتاجِ نظر ہو وہ بصیرت کیا ہے
دن یہ بے صبریٔ ہمّت کبھی دکھلاتی ہے
کوئی رستہ نہیں اور قوم چلی جاتی ہے

(مرثیہ: صبر)

وحیدالحسن ہاشمی اس سماجی صورتِ حال کی بدحالی کے ذمہ دار افراد کو لائقِ تعزیر سمجھتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ایسے افراد کے تذکرے کے وقت موصوف کے قلم میں جو شدت پیدا ہو جاتی ہے، وہ ان کے صاف باطن ہونے کی نشانی ہے۔ بلاشبہ ایسے افراد لائقِ نفرین و ملامت ہیں، جو ذاتی مفادات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اجتماعی مفادات کو قربان کر دیتے ہیں۔ درج ذیل بند دیکھیئے کہ سیّد وحیدالحسن ہاشمی نے کس طرح ایسے لوگوں کے چہروں سے نقابِ منافقت اٹھا کر ان کے اصل رُوپ ظاہر کئے ہیں: ؎

یہ ملّتِ اسلام کے کیسے ہیں بہی خواہ — رستہ ہے الگ قوم کا انکی ہے الگ راہ
پابندِ عدالت نہ شریعت سے ہیں آگاہ — دل پیروِ ابلیس زبانوں پہ ہے اللہ
سب کچھ انھیں معلوم ہے انجان نہیں ہیں
اسلام کی حد میں ہیں مسلمان نہیں ہیں

(مرثیہ: زنجیرِ سفر)

رہزن کی اب یہ ضد ہے کہ رہبر کہیں اُسے — مفلس یہ چاہتا ہے تونگر کہیں اُسے
قطرے کی آرزو ہے سمندر کہیں اُسے — جاہل مصر ہے نفسِ پیمبر کہیں اُسے
حکمِ امام اس کی نظر میں عناد ہے
اپنی روش غلط ہو تو وہ اجتہاد ہے

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

ڈال کر چہرۂ اسلام پہ شاہی کی نقاب　　بہرِ ترمیم اٹھالائے محمد کی کتاب
اپنی ہی خواہشات کو پہنا کے خدائی القاب　　پیاس دنیا کی بجھانے لگے مانندِ سراب
اتنا بے نور کیا علم کے کاشانے کو
ہاتھ میں رہ گیا قرآن قسم کھانے کو

(مرثیہ: صبر)

وحید الحسن ہاشمی نے محض کور ذوق، بد طینت اور بد اعمال رہبروں کی مذمت میں اپنے شعری افکار کو صرف نہیں کیا بلکہ جگہ جگہ ایسے قابلِ تقلید افراد کی تصویر کشی بھی کی ہے، جن کا اتباع دنیا اور آخرت دونوں کے لئے سودمند اور باعثِ افتخار ہے۔ یہی وہ افراد ہیں، جو حق و صداقت کے زیرِ سایہ پروان چڑھتے ہیں اور اجتماعی مفادات کے لئے ذاتی فوائد کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ درج ذیل بندوں میں شاعر نے ایسے ہی افراد کا تعارف کرایا ہے، ملاحظہ فرمائیے: ؎

تہذیبِ حریت کا فسانہ ہیں اہلِ بیتؑ　　آزادیٔ بشر کا ترانہ ہیں اہلِ بیتؑ
زلفِ رہِ حیات کا شانہ ہیں اہلِ بیتؑ　　جس میں تھکن نہیں وہ زمانہ ہیں اہلِ بیتؑ
مقدور چھین لیں اگر کائنات کا
چاہیں تو یہ بدل دیں مقدر حیات کا

(مرثیہ: خونِ تبسم)

قربانیوں کا حسنِ مجسم ہیں اہلِ بیتؑ　　عظمت ہے زندگی تو معظم ہیں اہلِ بیتؑ
قربانیاں کرم ہیں مکرم ہیں اہلِ بیتؑ　　دنیا اگر ہے زخم تو مرہم ہیں اہلِ بیتؑ
ان کے عمل سے گلشنِ ہستی میں رنگ ہے
ان کے بغیر صلح ہے کوئی نہ جنگ ہے

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

آزادیٔ خیال کو جس نے امان دی   مفہومِ صبر و شکر کو جس نے زبان دی
جس نے چمن کے واسطے صحرا میں جان دی   نرغے میں اہلِ کفر کے جس نے اذان دی
جھومر لہو کا دے کے جبینِ حمات کو
جس نے دُلہن کی طرح سنوارا حیات کو

(مرثیہ: شبِ عاشور)

جدید اُردو مرثیے کے فروغ کے لئے جن اکابر مرثیہ گو شعراء نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں، ان میں نجم آفندی، آلِ رضا، جوشؔ ملیح آبادی، جمیل مظہری، صفدر حسین اور قیصر بارہوی کے اسمائے گرامی بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔ وحید الحسن ہاشمی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں اردو میں "جدید مختصر مرثیہ" کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اس سلسلے میں آپ نے بنیادی اہمیت کے بے شمار مضامین لکھے، جن میں یہ مؤقف کلیدی حیثیت رکھتا ہے کہ عصرِ حاضر میں دیگر اصناف کی طرح مرثیے کو بھی اپنے اندر اختصار پیدا کرنا چاہیئے۔ موصوف نے ان مقالات میں جدید اور قدیم مرثیوں کے فرق کی وضاحت کی اور جدید مرثیے کے خدوخال متعین کئے۔ ان کے نظریات تیزی سے مقبول ہوئے اور مرثیہ گو شعراء نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ آج کل جو مختصر مرثیے قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر رہے ہیں، ان کی داغ بیل ڈالنے والے وحید الحسن ہاشمی ہیں۔

اب ان پیش کردہ معروضات کی روشنی میں کراچی کے ایک مرثیہ نگار ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کا یہ مؤقف کسی بھی صورت میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ وحید الحسن ہاشمی کی مختصر مرثیہ گوئی کی تحریک کو استحکام نہیں مل سکا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف نے "لہو لہو کہکشاں" کے دیباچے میں اس تحریک کے مثبت اثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے فقط اس دلیل پر مختصر مرثیہ گوئی کی تحریک کو ناکام و نامراد قرار دے دیا ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کا ابتدائی مرثیہ

چالیس اور ایک دوسرا مرثیہ اُنہتر بندوں پر مشتمل ہے۔ اسی دیباچے میں فاضل مصنف نے اپنے ہی استدلال کی نفی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مرثیہ جو سلام اور نوحہ جیسی مختصر اصناف سے مزاجاً اور طبعاً یکسر جدا صنف ہے، اپنی کمیت سے نہیں بلکہ اپنی کیفیت سے پہچانا جاتا ہے اور کیفیت کو بندوں کی کمی کے حصار میں مقیّد نہیں کیا جا سکتا۔"

اس فکری مغالطے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ وحید الحسن ہاشمی نے محض مرثیے کے بندوں کی تعداد کو کم کرنے پر زور نہیں دیا، بلکہ انہوں نے ہمیشہ مرثیے کے مجموعی مزاج کو بدلنے اور اس میں فکری تبدیلیاں لانے پر زور دیا ہے۔ اب اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا فرض ہے کہ وہ جدید مختصر مرثیہ گوئی کی تحریک کے اثرات کا بنظرِ غائر جائزہ لیں اور اگر انہوں نے اس تحریک سے متاثر ہونے والے شعراء کی فہرست تشکیل دی تو انہیں اپنے آپ کو بھی یقیناً اس فہرست میں شامل کرنا پڑے گا۔

وحید الحسن ہاشمی کے جدید مختصر مرثیوں کا مطالعہ کیجیے تو ان میں عصرِ حاضر کے جدید رویّوں کا سراغ ملتا ہے۔ یہ رویّے ایک جانب تو عقل کی میزان پر پورے اترتے ہیں اور دوسری جانب یہ جدید سائنسی افکار سے متصادم نہیں ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں عصرِ حاضر کے اہم ترین مسائل اور معاملات کی ترجمانی ملے گی۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ موصوف نے نئے اور تازہ افکار کو کس جدّت اور فنکارانہ چابکدستی سے پیش کیا ہے:؎

ذرّوں کی گفتگو نے دیا زندگی کو رنگ
حیراں ہوئے پہاڑ تراشے گئے وہ سنگ
مخلوق کے مزاج میں تخلیق کی اُمنگ
تحصیلِ امن کے لئے لازم ہو جیسے جنگ
جدت کی سمت مرکبِ تہذیب موڑ کے
انساں نے عطر لے لیا پتھر نچوڑ کے

(مرثیہ: زندگی)

دل کی بستی میں جو تنہائی کا اٹھتا ہے دھواں
وہم ہو جاتا ہے جب بزمِ خیالات کی جاں
اشک جب ٹوٹ کے بن جاتے ہیں نظروں کی زباں
آدمی درد سے ہوتا ہے جو مجبورِ فغاں
یوں سنبھل جاتا ہے وہ صبر کی دولت پاکر
جیسے مزدور کو تسکین ہو اجرت پاکر

(مرثیہ : صبر)

حُبِّ خدا ہے اصل میں انساں کا مآل
نسبت یہ دائمی ہے رعایت یہ لازوال
اسکی کشش جنوب ہے اس کا اثر شمال
تقویمِ معرفت میں ہے اک پل ہزار سال
باہر ہے یہ زمان و مکاں کی قیود سے
بجلی یہ کھیلتی ہے سحابِ ورکود سے

(مرثیہ : خونِ تبسم)

تکمیلِ سفر کیجیے زنجیرِ سفر سے
آلام کا رُخ موڑ دیجیے زخموں کی سپر سے
دنیا کی نظر کاٹ دیجیے شمشیرِ نظر سے
ظلمت کا گلا گھونٹ دیجیے مقتل کی سحر سے
یوں سجدۂ صد شکر ہو زنداں کی زمیں پر
تقدیس کا ہر نقش ابھر آئے جبیں پر

(مرثیہ : زنجیرِ سفر)

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں ایک ایسی فلسفیانہ فکر موجود ہے، جو خشک فلسفیانہ موشگافیوں سے کسی حد تک مختلف ہے۔ وحید الحسن ہاشمی اپنے فلسفیانہ افکار کو استفہام کے ذریعہ استوار کرتے ہیں۔ وہ کسی ایک اہم مسئلے کے حوالے سے مختلف نکات سوالات کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی علمی استعداد کے مطابق ممکنہ جوابات بھی فراہم کرتے جاتے ہیں۔ سوال اور جواب کا یہ سلسلہ قارئین کو حظ اور مسرت فراہم کرتا ہے۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ شاعر نے کس طرح اوّلاً استفہامیہ انداز پیدا کیا اور اس کے بعد ان سوالات کو کتنے سہل اور سادہ طریقے سے حل کر دیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ غائب ہے حق کی ذات
دیکھے بغیر کیسے محبت کو ہو ثبات
کوئی تو ہو کہ جس سے کہے دردِ دل کی بات
مقصود سامنے ہو تو بوجھل نہیں حیات
کردار بے اثر ہے کہانی نہیں اگر
پیاسا اجل رسیدہ ہے پانی نہیں اگر

کوئی سنے تو عقل یہ کہتی ہے بار بار
لازم نہیں کہ دید پہ الفت کا ہو مدار
دیکھا ہے کب کسی نے نگاہوں سے دل کا پیار
پنہاں نظر کا نور ہے لیکن ہے اعتبار
کیفیتوں کو قلب کی پہچانتے ہیں لوگ
ظاہر نہیں ہے درد مگر مانتے ہیں لوگ

(مرثیہ: خونِ تبسم)

مشہور یہ کیا کہ محمد تو ہیں بشر
ان کا مدارِ خلقت ظاہر ہے خاک پر
ان کے بھی جسمِ خاک پہ موسم کا ہے اثر
مثلِ بشر شہود کی پابند ہے نظر
بے جان جہاں کے کارِ مسلسل سے ہو گئے
آخر زمیں اوڑھ کے تربت میں سو گئے

کہتے ہیں آدمی ہے بہر حال محترم
سب ایک سے ہیں کوئی زیادہ بہت نہ کم
قسمت لکھی گئی نہ مقدر ہوا رقم
فطرت نے سب کو ایک سے ساماں کئے بہم
جاہل کہو کسی کو نہ اہلِ خبر کہو!
ہے آدمی رسول کہو یا بشر کہو!

لیکن یہ ناقدین سے پوچھے کوئی ذرا
قرآں کی رو سے معنئ تطہیر پھر ہیں کیا
جب آدمی کی فکر ہے آلودۂ خطا
کیوں اک بشر کو حقِ تصرف دیا گیا
نعرہ برابری کا ہے جب ہر زبان پر
کیوں مصطفیٰؐ کو حق ہے زمانے کی جان پر

جب عالمِ شہود کے انساں ہیں ایک سے
پھر اتباعِ حکمِ نبیؐ کیوں کوئی کرے
جب آب و گِل کے جسمِ بشر یں ہیں سلسلے
پھر کس طرح رسولؐ سوئے لامکاں گئے

جب بندشیں نہیں کوئی رزقِ حلال پر
صدقہ حرام کیوں ہے محمدؐ کی آل پر
یکساں ہیں جب سرشت میں کل ساکنِ زمیں　　سایہ نبیؐ کے جسمِ مبارک کا کیوں نہیں
جب ہیں رسولِ پاکؐ اسی خاک کے مکیں　　کس طرح لامکاں سے مکاں ہوگیا قریں
جب ہر بشر کا رنگ ہے بزمِ شہود میں
کیوں صرف اہلِ بیتؑ ہیں شاملِ درود میں
جب ایک ہی شجر کے ہیں سب آدمی ثمر　　شیریں جوان میں یہ ہے تو وہ کیوں ہے تلخ تر
جب آسماں سے کوئی اترا نہیں بشر　　آدمؑ کہاں سے آکے بسے ہیں زمین پر
فطرت نہیں یہ مہد میں جب کائنات کی
کس طرح پھر مسیحؑ نے جھولے میں بات کی

———————— (مرثیہ: ملیکۃ العرب)

جدید مختصر مرثیہ عموماً ۵۰ تا ۷۵ بندوں پر محیط ہوتا ہے، لہٰذا مرثیہ نگار اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ قارئین کے سامنے اشارات و کنایات میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرے۔ وحید الحسن ہاشمی بھی کم لفظوں سے زیادہ معانی پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے بیشتر مرثیوں میں رمزیت اور علامت کا ایک جہانِ معانی آباد نظر آتا ہے۔ بعض اوقات تو ان کا یہ ایجاز و اختصار قاری کو متحیّر کردیتا ہے۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ فرمائیے اور دیکھئے کہ انہوں نے کس طرح دریا کو کوزے میں بند کیا ہے: ؎

مکّے کا قحط ہو کہ ہو وہ دعوتِ نبیؐ　　طائف کا وہ سفر ہو کہ محصور زندگی
ہجرت کا کرب ہو کہ جفا غارِ ثور کی　　دشمن سے جنگ ہو کہ قبیلوں سے دوستی
دنیا کے دبدبے سے نہ جاہ و جلال سے
نامِ خدا چلا ہے خدیجہؑ کے مال سے

———————— (مرثیہ: ملیکۃ العرب)

تڑپی کبھی شبیہِ پیمبرؐ کے رُوپ میں اٹھی کبھی جلالتِ حیدرؑ کے رُوپ میں
چمکی کبھی تبسمِ اصغرؑ کے رُوپ میں نکلی کبھی حسینؑ کی خواہر کے رُوپ میں
بھائی نہ تھے تو دین کی نگہدار بن گئی
زینبؑ وفا کی قافلہ سالار بن گئی

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

اخلاق ہے نبیؐ کے گھرانے سے سربلند اخلاق کو علیؑ کی ادائیں ہیں سب پسند
اخلاق فاطمہؑ کی حیا کا نیازمند اخلاق پر حسینؑ نے آنے نہ دی گزند
اس گلستاں میں پھول سے رونق ہے پھول کی
خُلقِ حسنؑ بہار ہے خُلقِ رسولؐ کی

(مرثیہ: خُلقِ حسنؑ)

قربانیٔ حیات کو اب ڈر نہیں رہا ذہنوں کو خوفِ ناوک و خنجر نہیں رہا
عزمِ خلیلؑ رہ گیا آذر نہیں رہا آئینہ حق ہے دینِ سکندر نہیں رہا
ایثار کی کماں کو نئے تیر مل گئے
قربانیاں اداس تھیں شبیرؑ مل گئے

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

وحیدالحسن ہاشمی جدید مرثیہ نگار ہونے کے باوجود اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ اگر مرثیے میں "مرثیت" نہیں ہوگی تو وہ مرثیہ ایک بے بُو پھول ہو گا۔ اس کی معنویت اور تاثیر میں کمی واقع ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مرثیوں میں حزن و ملال کی فضا قائم رہتی ہے۔ ان کے مرثیوں میں فکری تسلسل اور معنوی ربط ہوتا ہے، جو واقعۂ کربلا پر منتج ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرثیے میں وہ جگہ جگہ ایسے الفاظ شعوری طور پر استعمال کرتے ہیں کہ قاری کا ذہن واقعۂ کربلا کے کسی ایک پہلو کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح شاعر مصائب بیان نہ کرنے کے باوجود قاری کا ذہنی تعلق واقعۂ کربلا سے جوڑے

رکھتا ہے۔ وحید الحسن ہاشمی کے آخری دو مرثیے تو خصوصیت کے ساتھ اپنے اندر ایک ایسی المیہ کیفیت سموئے ہوئے ہیں، جس کا فن مرثیہ نگاری کے آہنگ سے خاص تعلق ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں کے مصائب سے متعلق بند دوسرے شعراء کی نسبت زیادہ مبکی نظر آتے ہیں۔ وہ کبھی تو کرداروں کی نفسیاتی کشمکش سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی لفظوں کے دروبست سے ایسا سحر انگیز ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ قاری کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ تمام مرثیوں کے مبکی بندوں کا مطالعہ کیجیے تو آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس مقام پر ہاشمی صاحب میر انیس سے زیادہ میرزا دبیر سے قریب ہیں۔ ذیل میں مرثیوں کے مختلف بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ شاعر نے کس طرح قاری کا رابطہ واقعۂ کربلا سے بحال رکھا ہے:

ماضی کا حال، حال کے منظر میں دیکھیے
کل کا شباب آج کے پیکر میں دیکھیے
جوہر صدف کا تابشِ گوہر میں دیکھیے
اوصافِ انبیاءؑ رخِ حیدرؑ میں دیکھیے
دیروز ایک نقشِ غمِ نا تمام ہے
امروز حبِّ آلِ محمدؐ کا نام ہے

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

میزانِ روشنی میں زمانے کو تولیے
مقصد سے زندگی کے فسانے کو تولیے
ماحول میں عمل کے خزانے کو تولیے
قرآن سے نبیؐ کے گھرانے کو تولیے
آیت کہے گی حرمتِ اشراف چاہیے
تاریخ وزن رکھتی ہے انصاف چاہیے

(مرثیہ: ملیکۃ العرب)

پانی کا نام لے تو حمیت کے ہے خلاف
کچھ مانگنا غیور طبیعت کے ہے خلاف
پیچھے قدم ہٹیں یہ شجاعت کے ہے خلاف
آواز دیں رباب کو غیرت کے ہے خلاف
اپنی مثال منزلِ غیرت یہ آپ ہے
بیٹا سمجھ رہا ہے کہ مجبور باپ ہے

اصغرؑ پدر کی صدق بیانی سمجھ گئے　　　الفاظِ بے صدا کے معانی سمجھ گئے
پیتے ہیں کیسے تیغ کا پانی سمجھ گئے　　　لائے ہیں کیوں حسینؑ کہانی سمجھ گئے
شیرِ خدا کے شیر کا منظر دکھا دیا
خنجر رگِ گلو پہ اُٹھا کر دکھا دیا

(مرثیہ: حسینؑ اور قربانی)

———

مسلمؑ بہت قریب ہے وہ منظرِ الم　　　عابدؑ کو تازیانے لگیں گے قدم قدم
بازار میں جب آئیں گے شبیرؑ کے حرم　　　پوچھے کا واقعہ سرِ عباسؑ ذی حشم
لائے تھے جن کو ساتھ وہ پیارے کہاں گئے
بھیّا مِری بہن کے ستارے کہاں گئے

(مرثیہ: سفیرِ آلِ محمدؐ)

———

آخر بہن کے سامنے آئے شہِؑ انام　　　رکھی زمیں پہ لاش بہن سے کیا کلام
زینبؑ تمہارے باغ میں آئی ہوائے شام　　　لیلیٰ سے کہہ دو دیکھ لے اپنا مہِ تمام
خیمے میں پھر شبیہِ پیمبرؐ نہ آئے گا
جی بھر کے دیکھ لو علی اکبرؑ نہ آئے گا

(مرثیہ: زندگی)

———

شانے بندھے ہوئے ہیں مگر حوصلہ وہی　　　سر پر ردا نہیں ہے مگر دبدبہ وہی
کیا کیا رکاوٹیں ہیں مگر راستہ وہی　　　بھائی نے جو کہا تھا بہن کی صدا وہی
یہ ارتباطِ فکر و نظر کا مقام ہے
زینبؑ حسینیتؑ کی اشاعت کا نام ہے

(مرثیہ: ناموسِ وفا)

———

وحید الحسن ہاشمی کے مرثیوں میں اسالیب کے مختلف ذائقے اور پیرائے ملتے ہیں۔ کہیں تو وہ آلِ رضاؔ کی طرح سادہ اسلوبِ بیان اختیار کرتے ہیں اور کہیں جوشؔ ملیح آبادی کی طرح ان کے فن میں لکھنوی مرصّع کاری ملتی ہے۔

یہ بات بہر حال طے ہے کہ موصوف لفظ شناس ہیں اور الفاظ کو قرینے سے استعمال کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کا اسلوبِ بیان واضح اور جچا تُلا ہے۔ سادگی، سلاست اور روانی کے حوالے سے ان پر انیس کی چھوٹ پڑتی نظر آتی ہے۔ وہ تشبیہ اور استعارے کے رسمی استعمال کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس فن میں ان کا مؤقف واضح طور پر یہ ہے کہ علم بیان و بدیع اگر شعری حسن میں اضافہ کریں تو ان کا استعمال برحق ورنہ لفظوں کا الٹ پھیر بے معرف ہے۔ درج ذیل بندوں کا مطالعہ فرمائیے اور دیکھیے کہ کس طرح انہوں نے اسلوب کی مختلف جہتوں کو فنکارانہ صناعی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ علم بیان و بدیع کے ارکان باہمدگر اس طرح شیر و شکر ہو گئے ہیں، کہ شعری ضرورت محسوس ہوتے ہیں:

طوفاں کی موج موج پہ کشتی رواں ہوئی ۔۔۔ ٹکرا گئے بھنور وہ روانی عیاں ہوئی
چادر کی طرح وادیٔ کوہِ گراں ہوئی ۔۔۔ آئی صدائے زندگی میں آسماں ہوئی
انساں سمندروں کے مدینے میں آ گیا
باقی وہی رہا جو سفینے میں آ گیا

(مرثیہ: زندگی)

سبطِ نبیؐ نے کی جو زمانے پہ اک نظر ۔۔۔ آئینِ مصطفیٰؐ کی جبیں تھی لہو میں تر
اسلام جیسے راہ میں لوٹا ہوا شجر ۔۔۔ قرآن جیسے ظلم سے توڑا ہوا ثمر
عقبیٰ تھی اک مذاق نگاہِ عوام میں
ایمان تول تول کے بکتا تھا شام میں

(مرثیہ: خلقِ حسنؑ)

ندا یہ دی کہ شغالو قریب آؤ تو ۔۔۔ جو سو رہا ہیں زمانے کے ان کو لاؤ تو
فنونِ حرب کے انداز کچھ دکھاؤ تو ۔۔۔ لو، اس لکیر سے آگے قدم بڑھاؤ تو

مزہ تو جب ہے کہ لشکر کی یوں صفائی ہو
یہاں حسام چلے، شام میں دہائی ہو

(مرثیہ : سرکارِ وفا)

کتنے حسین ہاتھ تو کیا خوش نظر ہیں پاؤں — عالم کی رہبری کے لئے معتبر ہیں پاؤں
اسلام کی وہ سمت ہے انکے جدھر ہیں پاؤں — یہ پشتِ مصطفٰےؐ پہ نہیں عرش پر ہیں پاؤں
ہاتھوں پہ مثلِ زلف خرد کی زمام ہے
معراج اس ادا کی بلندی کا نام ہے

(مرثیہ : خلقِ حسنؑ)

ماتھے کا نور سیدِ ابرار کی طرح — آنکھیں نبیؐ کے دیدۂ انوار کی طرح
رفتار بھی رسولؐ کی رفتار کی طرح — پیکر تمام احمدِ مختارؐ کی طرح
حمدِ خدا کا سروِ سہی قد ہے دوسرا
صورت بتا رہی ہے محمدؐ ہے دوسرا

(مرثیہ : زندگی)

خیر النساءؑ کے دودھ کی تاثیر دیکھنا — گفتار سے جہاد کی تصویر دیکھنا
قرآں لہو میں غرق ہے تفسیر دیکھنا — خاموش ہے اب حسینؑ کی ہمشیر دیکھنا
ڈنکا حسینیت کا بجے گا عوام میں
جیتے گی کربلا کی لڑائی کو شام میں

(مرثیہ : ناموسِ وفا)

ہمت کسی میں ہو تو یہ انداز روک لے — انجام کی خبر دمِ آغاز روک لے
دم ہے تو جبرئیل کی پرواز روک لے — ہاں اب کوئی حسینؑ کی آواز روک لے
لشکر کا زعم لے کے اگر آئے گا یزید
اصغرؑ کے لب ہلیں گے تو مر جائے گا یزید

(مرثیہ : حسینؑ اور قربانی)

ذوقِ مشاہدہ جو بڑھا، زندگی بڑھی　　تصدیقِ آفتاب ہوئی روشنی بڑھی
دن کی طرح نگاہ بڑھی، آگہی بڑھی　　سینے میں دل جوان ہوا دلکشی بڑھی
آنکھوں کو انقلاب ملا نور کی طرح
اب زندگی عروس بنی حور کی طرح

(مرثیہ: زندگی)

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ مؤقف اختیار کیا تھا کہ واقعۂ کربلا کا سب سے بڑا فیض یہ ہے کہ اس نے ایک سطح پر تو انسان کا تعلق خدا سے اور دوسری سطح پر انسان کا تعلق اعلیٰ تر معاشرتی اقدار سے جوڑ دیا ہے۔ وحید الحسن ہاشمی نے بھی واقعۂ کربلا کے وسیلے سے اپنی عزائی شاعری کے ذریعہ اعلیٰ تر معاشرتی اقدار کو فروغ دینے کی جو کوشش کی ہے، وہ لائقِ تحسین ہے۔ آلِ رضا اور جوش ملیح آبادی کی رحلت سے اردو عزائی ادب میں جو خلا پیدا ہو گیا تھا، وحید الحسن ہاشمی نے اپنے نادر الوجود اسلوبیاتی مرثیوں کے ذریعے اس کو پُر کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وحید الحسن ہاشمی کی رثائی شاعری مواد اور اسلوب کے لحاظ سے آلِ رضا اور جوش کے شاعرانہ محاسن کا پُر تجمل امتزاج ہے۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین ایک کٹھن کام تھا، جو بزرگوں کی ہدایات اور دوستوں کے مشوروں سے پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے استادِ محترم ڈاکٹر آغا سہیل صاحب کا شکر گزار ہوں، جن کے مفید مشورے میرے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئے۔ میں جناب احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب، ڈاکٹر عبید اللہ خاں صاحب، ڈاکٹر سہیل احمد خاں صاحب، پروفیسر عتیق احمد صاحب، پروفیسر جیلانی کامران صاحب، پروفیسر عاصی کرنالی صاحب، پروفیسر سجاد رضوی صاحب، ڈاکٹر انور سدید صاحب، ڈاکٹر میمونہ انصاری صاحبہ،

ڈاکٹر خیالی امروہوی صاحب، ڈاکٹر اجمل نیازی صاحب، ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب اور خصوصاً ڈاکٹر سرفراز فاروقی صاحب کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اپنے قیمتی اور نادر خیالات تحریری شکل میں عنایت فرمائے۔ پروفیسر عبدالکریم خالد صاحب اور پروفیسر طاہر مسعود صاحب وقتاً فوقتاً میری دستگیری فرماتے رہے ہیں۔ میں ان دونوں اصحاب کا بے حد ممنون ہوں۔ اس کتاب کو عمران حیدر صاحب نے جس محبت اور محنت سے چھاپا ہے، اس کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ میں اپنے ان دوستوں اور عزیزوں کا بھی شکر گزار ہوں، جنہوں نے میری ہمت بندھائی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ میں یہ کتاب نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے بڑے بھائی محترم ڈاکٹر باقر زیدی صاحب کی نذر کرتا ہوں؛ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

شعبۂ اردو
گورنمنٹ کالج — لاہور

شبیہ الحسن
جون ۱۹۸۹ء

سلام

آ کے دستِ شاہ پر مخصوص جادہ کر لیا
اب علی اصغرؑ نے جینے کا ارادہ کر لیا

باپ کی گودی سے اصغرؑ چھاگئے کونین پر
کتنا میدانِ شہادت کو کشادہ کر لیا

لاکھ گردش ہو مگر وہ قوم مٹ سکتی نہیں
فکرِ شبیریؑ سے جس نے استفادہ کر لیا

دل بڑھا شبیرؑ کے غم سے لپٹ کر رو لئے
دل گھٹا شبیرؑ کا ماتم زیادہ کر لیا

ہر بلا کے واسطے آتا کہاں سے کوئی دل
وزنِ غم اپنی طرف شہؑ نے زیادہ کر لیا

دل تو دل ہے پوری مجلس کی طہارت ہو گئی
ذکرِ اہلِ بیتؑ کا جب بھی اعادہ کر لیا

اٹھ گئے شبیرؑ دنیا سے تو کوئی غم نہیں
حق نہ مٹ جائے یہ زینبؑ نے ارادہ کر لیا

کام آخر اپنے اشکوں کی روانی آ گئی
زیست کا اک اک ورق دھو دھو کے سادہ کر لیا

اب تو آلِ مصطفیٰؐ کا غم ہے اور اپنی نجات
اب الگ سارے جہاں سے ہم نے جادہ کر لیا

اس کے دل کو خواہشِ جنّت ستاتی ہی نہیں
منتخب جس نے نبیؐ کا خانوادہ کر لیا

ناموسِ وفا

(در حالِ حضرت زینبؑ)

۴۵

سنہ ۱۹۷۳ء

ناموسِ وفا

تاریخِ عالم میں شہرت کی کہانی بھی عجیب ہے کہ اس کی کمیں گاہوں میں ہمیشہ اختلاف رائے کا صیّاد اپنا ترکش لئے چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ ادھر کوئی شخصیت مشہور ہوئی کہ ادھر سے نزاع کے تیر چلنے لگے، لیکن حضرت زینبؑ ایک ایسی ہستی ہیں کہ ان کا ذکر کسی عنوان سے کر لیجئے، اپنے اور پرائے سب احترام اور تسلیم کے لئے سر جھکا دیں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جس مقصدِ عظیم کے لئے گلشنِ فاطمہؑ کے گلہائے نو دمیدہ کو ریگ زارِ کربلا میں جھلسانے پر آمادہ ہوئے وہ عزم فانی انسان کے وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ لیکن میدانِ کربلا کی یہ رُوداد اگر اسی چٹیل بے آب و گیاہ میدان میں گم ہو جاتی تو بنی آدم کے لئے منزلِ امن کی تلاش بے سُود ہوتی۔ گویا کہ اس کارزارِ خونچکاں پر مُہرِ ابدیّت حضرت زینبؑ نے اپنے ایثار، عزم، حوصلے، جرأت اور وفا سے لگائی۔ اور واقعی کربلا کی لڑائی کو سرزمینِ شام میں فتح کیا۔ ابنِ زیاد اور یزید کے درباروں میں کلمۂ توحید کی حفاظت اور سنّتِ خدیجۃ الکبریٰؑ کی تجدید کر کے عورت کے مقام کو انتہائی رفعتوں پر پہنچا دیا۔ اس عظیم شخصیت پر ایسا سُتھرا مرثیہ لکھنا جناب سید وحید الحسن ہاشمی جیسے فنِ مرثیہ کے رمز شناس ہی کا کام تھا۔ کیا زبان ہے، کیا مضمون!! کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے۔

ڈاکٹر میمونہ انصاری

کرم آباد، رحمان پورہ

لاہور

ناموسِ وفا

ماضی کا حال، حال کے منظر میں دیکھیے
کل کا شباب آج کے پیکر میں دیکھیے
جوہر صدف کا تابشِ گوہر میں دیکھیے
اوصافِ انبیاءؑ رُخِ حیدرؑ میں دیکھیے
دیروز ایک نقشِ غمِ ناتمام ہے
امروز حُبِّ آلِ محمدؐ کا نام ہے

تہذیب کے چمن میں کِھلے بے شمار پھول
رنگینئ جمال پہ دل سے نثار پھول
صورت گرِ حیات کے آئینہ دار پھول
بھاری ہزار خار پہ دو تین چار پھول
اُکھڑی ہوا تو زیست کا نقشہ بگڑ گیا
ہر خار ڈر کے پھول کی پتی میں گڑ گیا

فکرِ بشر کے ڈھے گئے اک آن میں محل
ٹوٹے ہر ایک گام پہ تخئیل کے جبل
ٹھوکر لگی نکل گئے سارے خودی کے بل
کہتے تھے آج مُنہ سے نکلتا مگر تھا کل
اپنے عمل کے تلخ نتائج سے ڈر گئے
دہشت کے مارے موت سے پہلے ہی مر گئے

دولت کو زندگی کی سمجھتے تھے جو اساس		جن کے بدن پہ زر کی غلامی کا تھا لباس
پھرتے تھے جو مآلِ تکبّر سے بے ہراس		اندھا کئے ہوئے تھی جنہیں مال و زر کی آس
پلٹا ہَوا کا رُخ تو مصیبت میں پھنس گئے
خود اپنے ہی غرور کی دَلدل میں دَھنس گئے

حُسنِ نظر، نظر کی کرامات کو زوال		تابندہ مہ وشوں کی حکایات کو زوال
انساں کی عدل سوز عنایات کو زوال		خلّاقیٔ بشر کی روایات کو زوال
ظلمت پرست فکر کے جادے فنا ہوئے
جو ٹوٹتے نہ تھے وہ ارادے فنا ہوئے

کلیوں کے لب پہ دَرد کا پیغام بھی فنا		صبحِ طرب کی عیش طلب شام بھی فنا
رحلت کے ساتھ سلسلۂ نام بھی فنا		ایّام کیا ہیں گردشِ ایام بھی فنا
نقشِ قدم ملیں گے نہ دن کے نہ رات کے
اہلِ فنا میں دَور چلیں گے ممات کے

لیکن ضیائے حُسنِ وفا کو فنا نہیں		اُلفت کی دلنواز اَدا کو فنا نہیں
دردِ قلوبِ اہلِ ولا کو فنا نہیں		عشقِ خدائے نازِ بقا کو فنا نہیں
ٹھہرا کوئی نہ سوزشِ اُلفت کے سامنے
سُورج ہے ماند شمعِ محبت کے سامنے

بڑھتی ہے آندھیوں میں چراغِ وفا کی لو   عالم کو جگمگاتی ہے الفت کی ایک ضو
پیچھے خرد کا بحر ہے، آگے ہے دل کی رَو   نفرت کا ایک نام، محبت کے نام سَو
جینا دَر اصل عشق میں جینے کا نام ہے
انسانیت وَفا کے قرینے کا نام ہے

یہ زندگی، یہ رونقِ عالم وفا سے ہے   فکر و نظر میں رشتۂ باہم وفا سے ہے
بزمِ جہاں میں شر کا اثر کم وفا سے ہے   مظلوم پر جفاؤں کا ماتم وفا سے ہے
نامِ وفا بلند ہے دنیا جہان سے
تہذیب بولتی ہے وفا کی زبان سے

جسمیں وفا نہیں وہ بشر کم نصیب ہے   دولت یہ جسکے پاس نہیں وہ غریب ہے
یہ رابطہ نہیں تو ہلاکت قریب ہے   اسکے بغیر فطرتِ انساں عجیب ہے
اس کا ہر اک جہاں میں بڑا احترام ہے
اصلِ وفا خدا ہے، نبیؐ ہے، امامؑ ہے

حاصل جسے شعورِ وفا ہے وہ آدمی   احساسِ عشق جس کو ذرا ہے وہ آدمی
الفت کی گود میں جو پلا ہے وہ آدمی   جو دردِ لا دوا کی دوا ہے وہ آدمی
مٹ جائے گر وفا کی نشانی جہان سے
آنکھیں ملا سکے نہ زمیں آسمان سے

آکر دیارِ قلب سے جاتی نہیں وَفا   دل میں ذرا سا شک ہو تو آتی نہیں وَفا
اپنے قدم جما کے ہٹاتی نہیں وَفا   پیکار ہو تو پشت دکھاتی نہیں وَفا
ہر طرح سے سجا کے رُخ ماوطین کو
چاہے تو آسماں پہ بٹھا دے زمین کو

خالق کی بندگی کا سلیقہ یہی وَفا   ایمان کے حصُول کا رستہ یہی وَفا
پیشانیٔ حیات کا جلوہ یہی وَفا   انسانیت کا آخری سجدہ یہی وَفا
ان کی نظر میں دہر کی تحصیل زشت ہے
اہلِ وَفا کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے

کعبے کی عظمتوں کا قرینہ وَفا پرست   سامانِ مدِ بہارِ مدینہ وَفا پرست
جسمِ تجلیات کا سینہ وَفا پرست   انگشتری ہے خلق نگینہ وَفا پرست
کیفیتوں کو قلب کی راہوں سے موڑ لیں
چاہیں تو یہ گلاب سے خوشبو نچوڑ لیں

انسانیت کے قلب میں سوغات ہے وَفا   سینے میں انبساط کی برسات ہے وَفا
ذہنِ بشر میں تاروں بھری رات ہے وَفا   نکلے نہ جو زبان سے وہ بات ہے وَفا
مرتا ہو اور دردِ جدائی نہ کہہ سکے
یہ ہے وَفا کہ بھائی کو بھائی نہ کہہ سکے

تنہائیوں میں ذہن جو کھاتا ہے پیچ و تاب
کِھلتا نہیں سکون کے گلزار میں گلاب
گھٹتی ہے تابِ ضبط تو بڑھتا ہے اضطراب
کھیتی پہ زندگی کے برستا نہیں سحاب
اس دم وفا کی لاگ بچاتی ہے جان کو
دیتی ہے رس حیات کا سوکھی زبان کو

قدرت کا کائنات میں اک راز ہے وفا
کعبے سے اشتیاق کا آغاز ہے وفا
پیغمبری کی ہمدم و ہم ساز ہے وفا
بنتِ اسد کے شیر کی آواز ہے وفا
منہ میں زباں نہیں ہے مگر بولتی ہے یہ
حد ہے منافقت کا بھرم کھولتی ہے یہ

آتا ہے انقلاب تو اٹھتی ہیں بدلیاں
شمعِ وفا کو لیتی ہیں گھیرے میں آندھیاں
اللہ رے اک امامِ وفا کی وہ خوبیاں
بٹتی ہیں ظلمتوں کو وفا کی تجلیاں
جس پر معاویہ کے تصرف کی گھات ہے
وہ سلطنت نہیں ہے، وفا کی زکوٰۃ ہے

بنتی نہیں ہے صلح و محبت سے بات جب
جب خونِ بے گناہ کا بہتا ہے بے سبب
بڑھتا ہے جب جفا کے پرستار کا غضب
جب اپنی سروری پہ اکڑتا ہے کم نسب
جوہر شرافتوں کے دکھاتی ہے پھر وفا
مجبور ہو کے تیغ اٹھاتی ہے پھر وفا

تڑپی کبھی شبیہ پیمبرؐ کے رُوپ میں — اٹھی کبھی جلالتِ حیدرؑ کے رُوپ میں
چمکی کبھی تبسمِ اصغرؑ کے رُوپ میں — نکلی کبھی حسینؑ کی خواہر کے رُوپ میں
بھائی نہ تھے تو دیں کی نگہدار بن گئی
زینبؑ وفا کی قافلہ سالار بن گئی

زینبؑ کی رہبری سے بڑھا دین کا وقار — زینبؑ کی بیکسی نے کئے ظالموں پہ وار
زینبؑ ضیائے چشمِ امامت کا اعتبار — زینبؑ خزاں کے دور میں آئینۂ بہار
رُوحِ عمل ہے عزم کی دنیا کا چین ہے
بعدِ حسینؑ دہر میں زینبؑ حسینؑ ہے

زینبؑ وفا کی منزلِ رفعت کا نام ہے — زینبؑ شعور و فکر کی عظمت کا نام ہے
زینبؑ حسینیت کی حمایت کا نام ہے — زینبؑ یزیدیت سے بغاوت کا نام ہے
لُٹنے نہ دی عزیز کمائی حسینؑ کی
زینبؑ نے خود لڑی ہے لڑائی حسینؑ کی

زینبؑ کا نام مقصدِ اسلام کا پیام — زینبؑ کا نام فکر کی تطہیر کا قیـ
زینبؑ کا نام امن کی کوشش کا احترام — زینبؑ کا نام ضامنِ آزادیٔ عوا
ٹوٹے ہوئے قلوب کی دم ساز بن گئی
بنتِ علیؑ رسولؐ کی آواز بن گئی

زینبؑ سوالِ ظلم کا بے ساختہ جواب　　زینبؑ قیامِ سطوتِ شاہی کا سدِ باب
زینبؑ ہے احتجاج کی اک مستقل کتاب　　مرحب اگر یزید تو زینبؑ ہے بوترابؑ
کیوں کر مقابلہ ہو بھلا ایسے وار کا
اس کے بیان میں ہے اثر ذوالفقار کا

زینبؑ ہے جسمِ عالمِ انسانیت کی جان　　زینبؑ کے نور سے ہے عیاں پنجتنؑ کی شان
زینبؑ جہاں میں مقصدِ شبیرؑ کی زبان　　زینبؑ نمازِ خالقِ کونین کی اذان
زینبؑ کی چاہ جزوِ درود و سلام ہے
زینبؑ نہیں تو فصلِ عبادت حرام ہے

زینبؑ سے آدمی کے چلن کو بقا ملی　　زینبؑ سے ہمتِ بشری کو جلا ملی
زینبؑ سے اہلِ درد کو سطحِ وفا ملی　　زینبؑ سے شام میں خبرِ کربلا ملی
شاہی کے جم سکے نہ قدم تھرتھرا گئی
زینبؑ حسینیتؑ کی صدا بن کے چھا گئی

اسلام کے لباس میں شاہی تھی جلوہ گر　　دینِ خدا تھا دستِ حکومت میں بے اثر
دھندلا گئی تھی شام میں قرآن کی نظر　　بیٹھا تھا کفر مسندِ آلِ رسولؐ پر
بس اک نظر سے وقت کے فرعون کٹ گئے
زینبؑ بڑھی تو کفر کے سائے سمٹ گئے

تشہیر غمزدوں کی جو تقدیر بن گئی	زینبؑ حیا کی بولتی تصویر بن گئی
اُمت کی فکر پاؤں کی زنجیر بن گئی	زنجیر شانِ آیۂ تطہیر بن گئی
زینبؑ کے رُخ پہ دیکھ کے جلوہ حسینؑ کا
پڑھنے لگی حیات قصیدہ حسینؑ کا

بڑھنے لگا تھا دہر میں نام و نسب کا زہر	تھی ساحل عوام پہ حرص و ہوا کی لہر
اخلاص کے ضمیر پہ تھا آدمی کا قہر	لوگوں کے ذہن میں تھی رواں خود سری کی نہر
قصرِ نمائشِ اُموی خاک کر دیا
زینبؑ نے شیطنت کا گلا چاک کر دیا

قاتل کو فکر تھی کہ جفا کی خبر نہ ہو	مظلومیت کا غلبۂ جہاں پر اثر نہ ہو
تخریب کار کو کسی جانب سے ڈر نہ ہو	مجرم کا اقتدار محلِّ نظر نہ ہو
زینبؑ مگر حریفِ جفا کار بن گئی
پیشِ یزید آہنی دیوار بن گئی

ہو رائیگاں حسینؑ کا غم کیا مجال ہے	پرچم حسینیتؑ کا ہو خم کیا مجال ہے
اُٹھیں شقی کے سبز قدم کیا مجال ہے	زین العباؑ کا سر ہو قلم کیا مجال ہے
آئے تو کوئی قصدِ شہادت کے واسطے
زینبؑ کھڑی ہے حفظِ امامت کے واسطے

پھیلائیں لاکھ اہلِ ریا سازشوں کے جال   باطل ہزار رُخ سے چلے مکروفن کی چال
نخوت کے جس قدر بھی نمایاں ہوں خدوخال   مُردہ مگر یزید ہے، زندہ علیؑ کا لال
ظلمت کی اس فضا میں اکیلا نہیں حسینؑ
زینبؑ علم بدوش ہے تنہا نہیں حسینؑ

خیر النساءؑ کے دُودھ کی تاثیر دیکھنا   گفتار سے جہاد کی تصویر دیکھنا
قرآں لہو میں غرق ہے تفسیر دیکھنا   قائد ہے اب حسینؑ کی ہمشیر دیکھنا
ڈنکا حسینیتؑ کا بجے گا عوام میں
جیتے گی کربلا کی لڑائی کو شام میں

عباسؑ اب نہیں ہیں کہ دیکھیں بہن کی جنگ   بالکل بدل گیا ہے جہادِ وفا کا رنگ
طاقت نہ ہو تو یہ ہے لڑائی کا خاص ڈھنگ   اس زینبی جہاد پہ عقلِ یزید دنگ
جور و جفا کی آخری دیوار توڑ دی
زینبؑ نے دستِ ظلم کی تلوار توڑ دی

شانے بندھے ہوئے ہیں مگر حوصلہ وہی   سر پر ردا نہیں ہے مگر دبدبہ وہی
کیا کیا رکاوٹیں ہیں مگر راستہ وہی   بھائی نے جو کہا تھا بہن کی صدا وہی
یہ ارتباطِ فکر و نظر کا مقام ہے
زینبؑ حسینیتؑ کی اشاعت کا نام ہے

دنیا سمجھ رہی تھی کہ زینبؑ ہے مضمحل
عباسؑ کے فراق میں ٹوٹا ہوا ہے دل
دردِ جدائی علی اکبرؑ ہے جاں گسل
بیٹوں کا زخم قلب میں ہوگا نہ مندمل
ہنگامِ امتحاں نہ الم ہے نہ آہ ہے
زینبؑ کے لب پہ اَشْهَدُ اَن لَا اِلٰہ ہے

محبوس ہے مگر متزلزل قدم نہیں
ظالم کا سامنا ہے مگر کوئی غم نہیں
دل میں لگی ہے آگ مگر آنکھ نم نہیں
بکھرے ہوئے ہیں بال مگر شان کم نہیں
تیغِ زباں چلے گی اگر اژدھام میں
اک اور کربلا نظر آئے گی شام میں

اب ہے اسیرِ ظلم و شقاوت کا امتحاں
دربار میں حسینؑ کی غیرت کا امتحاں
بنتِ رسولِؐ پاک کی محنت کا امتحاں
نامحرموں میں دین کی عزت کا امتحاں
زینبؑ نے سر اتار گئے قاتل کی آن کا
معیار کر دیا ہے بلند امتحان کا

دل رکھ دیا تھا درد کے منظر کے سامنے
زہراؑ بنی کھڑی تھی ستمگر کے سامنے
لہرائی لاکھ تیغِ جفا سر کے سامنے
زینبؑ جھکی نہ تمکنتِ شر کے سامنے
ختم الرسلؐ نہ فاتحِ بدر و حنین سے
بیٹی علیؑ کی داد طلب تھی حسینؑ سے

طوفاں اٹھا جو قلب میں بھائی کی یاد کا خطبوں کی رُوح بن گیا جذبہ جہاد کا
سیفِ زباں سے توڑ دیا سر عناد کا دل ہل گیا یزید کا ابنِ زیاد کا
جانے کو قید خانے میں وہ نوحہ گر گئی
دربار میں حسینؑ کی مجلس تو کر گئی

اب قید کی فضا میں عزاداریٔ حسینؑ ماتم بلا کی دھوپ میں تاریکیوں میں بین
عابدؑ کی دیکھ بھال میں ٹھکرا کے دل کا چین زینبؑ تھی اور مقصدِ سلطانِ مشرقین
سمجھا کے سطحِ صدق بیانی حسینؑ کی
بچوں سے کہہ رہی تھی کہانی حسینؑ کی

زنداں میں ضعفِ عابدؑ مضطر کا بھی خیال زخموں کی فکر طوق کے لنگر کا بھی خیال
اکبر کا غم سکینہؑ کے گوہر کا بھی خیال بے پردہ بیبیوں کے کھلے سر کا بھی خیال
خود کو بدل لیا تھا غموں کے نظام میں
عباسؑ بن گئی تھی بہن قیدِ شام میں

اٹھا جو دردِ مادرِ اکبرؑ سے بات کی تڑپا جو قلب شاہ کی دختر سے بات کی
آنسو رُکے تو عابدؑ مضطر سے بات کی نیند آگئی تو شہ کے کٹے سر سے بات کی
قابو جگر پہ رکھ نہ سکی اضطراب میں
چوما بہن نے بھائی کے ہونٹوں کو خواب میں

پیہم صعوبتوں سے بدن ہو گیا تھا چور
چھلنی غمِ فراق سے تھا قلبِ ناصبور
آتا تھا یاد اکبرؑ گلفام کا شعور
روتا تھا دور ہو کے نظر سے نظر کا نور
یہ غم تھا موت جانے کہاں دیکھتی رہی
بیٹے کا دم نکل گیا، ماں دیکھتی رہی

زنداں کا حبس اور وہ کعبے کے پاسباں
زنداں کا حبس اور وہ ملت کے میہماں
زنداں کا حبس اور وہ حیدرؑ کے قلب و جاں
زنداں کا حبس اور وہ زہراؑ کی بیٹیاں
آئیں مصیبتیں نگہ و دل کے سامنے
زینبؑ مگر جھکی نہیں باطل کے سامنے

خونِ تبسّم

(در حالِ حضرت علی اصغرؑ)

٥٠

سنہ ١٩٧٤ء

خونِ تبسم

اکثر ناقدین کا یہ خیال ہے کہ اُردو مرثیہ خلیقؔ و ضمیرؔ کی تخلیقات سے عروج پر پہنچا اور انیسؔ و دبیرؔ کے بعد تکمیل کے ان مدارج تک اس کی رسائی ہوگئی کہ جس سے آگے جانا ممکن نہ رہا۔ میں بھی جزوی طور پر اس رائے سے متفق ہوں، لیکن بقول ولیؔ:

راہِ مضمون تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن

جدید مرثیے میں جدت و انفرادیت کے ایسے ایسے نمونے مل جاتے ہیں جو عجب نہیں کہ اس فن کے قدیم اساتذہ کے لئے بھی باعثِ رشک ہوں۔ جدید مرثیے میں جناب وحید الحسن ہاشمی کا نام بعض دوسرے مرثیہ نگاروں سمیت عزت و احترام کا مستحق ہے۔ جناب ہاشمی کے مرثیوں میں کلاسیکی مرثیے کی پختگی کے ساتھ ساتھ جدتِ فن بھی موجود ہے۔ ان کا مختصر مرثیہ "خونِ تبسم" جناب علی اصغرؑ شہیدِ کربلا کی شہادت پر لکھا گیا ہے۔ اس مرثیے میں وہی خلوص، کلاسیکی پختگی، روانی اور سلاست جلوہ گر ہے، جو جدید مرثیے کی مقبولیت کا سبب بن چکی ہے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا
صدرِ شعبۂ اُردو
یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

خونِ تبسم

عالم پہ ہے محیط محبت کی روشنی — وجہِ بقائے جاں ہے اخوت کی روشنی
انسانیت کا نور ہے الفت کی روشنی — انسان کو پسند ہے قربت کی روشنی
سوزِ ولا دلوں کے دھڑکنے کا نام ہے
یہ دردِ دل نہ ہو تو بشر نا تمام ہے

یہ درد آدمی کو بناتا ہے آدمی — یہ دردِ ذہن و فکر کو دیتا ہے روشنی
یہ درد ناپتا ہے نفس کی روا روی — یہ درد انبساط ہے یہ درد گدگدی
طے ہو زمیں سے عرش کا رستہ اک آن میں
اس درد سے شگاف پڑے آسمان میں

اُلفت جہادِ نفس ہے بے چارگی نہیں — اُلفت فروغِ صبح ہے تیرہ شبی نہیں
اُلفت کمالِ ہوش ہے وارفتگی نہیں — اُلفت خودی کا نام ہے یہ بیخودی نہیں
قاتل کے دل سے ہمتِ پیکار چھین لے
اُلفت قضا کے ہاتھ سے تلوار چھین لے

روزِ ازل سے شمعِ محبت ہے ضوفشاں ہر دل میں کوندتی ہیں محبت کی بجلیاں
اس لطف، اس خیال سے انسان ہے جواں تابِ سخن نہیں ہے مگر کہہ رہا ہے ہاں
میزانِ اشتیاق میں دل تولتا ہے وہ
قلب و نگاہ چپ ہیں مگر بولتا ہے وہ

پھیلے ہوئے ہیں نخلِ محبت کے برگ و بار آکر وفا کے باغ سے جاتی نہیں بہار
پی کر شرابِ عشق اترتا نہیں خمار گھٹتی ہے دل کی تاب تو بڑھتا ہے اعتبار
سیلابِ شوق وقت کے دھاروں کو روک دے
انسان آسماں کے ستاروں کو روک دے

یہ کائنات محو ہے توصیفِ ناز میں آئینہ گم ہے صنعتِ آئینہ ساز میں
شانِ عجم ہے غرق نشانِ حجاز میں اللہ ہے نیاز محمدؐ نماز میں
جو پائے ظرفِ خاص ہے یادِ خدا کی لاج
پیشانیٔ رسولؐ نے رکھ لی وفا کی لاج

حُبِ خدا ہے اصل میں انسان کا مآل نسبت یہ دائمی ہے رعایت یہ لازوال
اس کی کشش جنوب ہے، اس کا اثر شمال تقویمِ معرفت میں ہے اک پل ہزار سال
باہر ہے یہ زمان و مکاں کی قیود سے
بجلی یہ کھیلتی ہے سحابِ درود سے

حُبّ خدا ہے ذہن کی تخریب کا علاج　　قائم ہے اس نظام سے کونین کا مزاج
قلبِ بشر پہ اس کی عنایات کا ہے راج　　پلتا اسی کی گود میں ہے اُخروی سماج
اس کے بغیر خاک ہے پتھر ہے آدمی
یہ دم کے ساتھ ہو تو پیمبر ہے آدمی

حُبِّ خدا ضمیرِ دو عالم کی آس ہے　　ہے جہل سے یہ دُور فراست کے پاس ہے
یہ وہم کی فضا میں تیقّن اساس ہے　　دینِ خدا ہے جسم محبت لباس ہے
ہے رازِ حق یہ صاحبِ ادراک کے لئے
پیکر کو خلق کر دیا پوشاک کے لئے

جس کا شعور الفتِ حق سے ہے ضو فگن　　اس کی نگاہ خُلد ہے اسکی نظر عدن
ہو عازمِ جہاد تو سالارِ صف شکن　　مصروفِ گفتگو ہو تو کِھلنے لگیں چمن
جُملہ حسیں ہو جلوۂ مقبول کی طرح
ہر لفظ کِھل کِھلا کے ہنسے پھُول کی طرح

جس کو نہیں خدا کی محبت سے کچھ لگاؤ　　بحرِ گماں میں ڈولتی ہے جسکے دل کی ناؤ
ہے جس کے دل کا راہنما وقت کا بہاؤ　　جس کے جگر پہ خنجرِ تشکیک کا ہے گھاؤ
ہنگامِ نزع چشمِ دروں کھولتا ہے وہ
عادت نہیں ہے سچ کی مگر بولتا ہے وہ

یہ وہم ہے کہ حق کو نہیں مانتا بشر — حسن کے پائے ناز پہ کیونکر جھکے نہ سر
کیسے یقیں نہ آئے جو راوی ہو معتبر — آنکھیں کھلی ہوئی ہوں تو آئے نہ کیوں نظر
پیدا اگر ہے عشق تو عاشق ضرور ہے
تخلیق کہہ رہی ہے کہ خالق ضرور ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ غائب ہے حق کی ذات — دیکھے بغیر کیسے محبت کو ہو ثبات
کوئی تو ہو کہ جس سے کہے دردِ دل کی بات — مقصود سامنے ہو تو بوجھل نہیں حیات
کردار بے اثر ہے کہانی نہیں اگر
پیاسا اجل نصیب ہے پانی نہیں اگر

کوئی سُنے تو عقل یہ کہتی ہے بار بار — لازم نہیں کہ دید پہ الفت کا ہو مدار
دیکھا ہے کب کسی نے نگاہوں سے دل کا پیار — پنہاں نظر کا نور ہے لیکن ہے اعتبار
کیفیتوں کو قلب کی پہچانتے ہیں لوگ
ظاہر نہیں ہے درد مگر مانتے ہیں لوگ

یوں ہی خدا کو دہر کی عظمت سے مانئیے — کعبے کو لاالٰہ کی نسبت سے مانئیے
قرآں کو علوئے بلاغت سے مانئیے — اللہ کے رسولؐ کو عترت سے مانئیے
دعوے ہوں لاکھ قلب میں بُوئے وفا نہیں
حُبِّ نبیؐ نہیں ہے تو حُبِّ خدا نہیں

حُبِّ نبیؐ جمالِ خدا کا نشان ہے
یہ جسم اہتمام دو عالم کی جان ہے
نشرِ علوم مذہبِ حق کی زبان ہے
حُبِّ نبیؐ نماز خدا کی اذان ہے
جس دل میں یہ نہیں ہے وہ دل، دل نہیں رہا
انسان اعتبار کے قابل نہیں رہا

حُبِّ نبیؐ حیات کو دیتی ہے حوصلہ
یہ رہبر سفر ہو تو چلتا ہے قافلہ
دل میں یہ جا گزیں ہو تو بڑھتا ہے ولولہ
ہٹ جائے یہ تو دہر میں آ جائے زلزلہ
کون و مکاں الگ ہوں اگر اس مکین سے
ٹکرائے آسماں کی بلندی زمین سے

حُبِّ رسولؐ فکر میں لاتی ہے انقلاب
کرتی ہے یہ زمین کے ذروں کو آفتاب
اس کی عطا ہے بحر تو اس کا کرم سحاب
چاہے تو یہ ببول سے کھلنے لگیں گلاب
بہرِ ثبوت سنگ و شجر بولنے لگیں
اس کی رضا ملے تو شجر ڈولنے لگیں

جیتے ہیں جو نبیؐ کی محبت میں صبح و شام
وہ نائبِ امام ہیں، وہ قائدِ عوام
ان کا ہر اک غلام ہے، وہ خود نہیں غلام
کرتے ہیں آسمان کے تارے انہیں سلام
ڈرتے ہیں آسمان و زمیں ان کی جاہ سے
کرتے ہیں وہ دلوں پہ حکومت نگاہ سے

حُبِّ رسولؐ حق کی عبادت کا ماحصل
اہلِ وفا کے قلب میں کھلتا ہے یہ کنول
ٹوٹے ہوئے دلوں کو بناتی ہے یہ محل
اسکی کوئی مثال نہ اس کا کوئی بدل
سارے جہادِ عصر کے معیار کاٹ دے
چاہے تو شاخِ گل سے یہ تلوار کاٹ دے

یہ رحمتِ کمال کا ہے اک حسیں بدن
یہ چہرۂ بقائے مسلماں کی ہے پھبن
یہ ہے خلوصِ بندۂ مومن کا بانکپن
یہ جنگ میں حسینؑ ہے، یہ صلح میں حسنؑ
چشمِ چمن میں عصمت و عفت کے پھول ہیں
دونوں پسر نواسۂ حبِّ رسولؐ ہیں

دونوں میں نازِ رحمتِ خلاقِ دو جہاں
دونوں ہیں سیرتِ نبویؐ کے مزاج داں
دونوں علیؑ کا جسم ہیں، دونوں علیؑ کی جاں
دونوں زبانِ فاطمہؑ زہرا کے ترجماں
دونوں کے رنگ روپ میں لیل و نہار ہیں
دونوں کی نکہتیں ہیں خدا کی بہار ہیں

ان کا ہر ایک فعل براہِ صواب ہے
ان کا ہر ایک نقشِ قدم کامیاب ہے
ان کی نگاہ جلوہ گہِ انقلاب ہے
ان کی ہر ایک بات خدا کی کتاب ہے
دینِ خدا کا آج بھی یہ امتیاز ہے
ان کی ولا نہیں ہے تو باطل نماز ہے

زیبِ جہاں ہے الفتِ آلِ نبیؐ کا نور یہ منزلِ سجود میں مومن کا ہے غرور
اس سے ملا ہے دہر کو توحید کا شعور یہ قلب سے قریب ہے یہ ہے نظر سے دور
وارث ہے یہ جہاں میں خدا کی کتاب کا
یہ معجزہ ہے ذہنِ رسالت مآبؐ کا

آلِ نبیؐ کی چاہ میں ڈوبی ہے کائنات حسنِ یقیں لئے ہے مسلمان کی نجات
اتنا ہوا بلند مزاجِ رہِ حیات کرنے لگے زمین کے ذرّے فلک سے بات
پڑھتے ہوئے درود حفاظت کے واسطے
اترے مَلک زمیں کی زیارت کے واسطے

دریائے معرفت کی روانی ہیں اہلِ بیتؑ دنیا اگر ہے آگ تو پانی ہیں اہلِ بیتؑ
بھرپور مصطفےٰؐ کی جوانی ہیں اہلِ بیتؑ اک عالمی سماج کے بانی ہیں اہلِ بیتؑ
کعبہ صفت مرقعِ اہلِ نظر بنے
سمٹے یہ کائنات تو زہراؑ کا گھر بنے

سازِ ازل کی زمزمہ خوانی ہیں اہلبیتؑ جو ختم ہی نہ ہو وہ کہانی ہیں اہلبیتؑ
پیغمبرؐ خدا کی نشانی ہیں اہلبیتؑ قرآن مصطفےٰؐ ہیں، معانی ہیں اہلبیتؑ
یہ رازدارِ وحیِ رسالت مآبؐ ہیں
یہ حاملِ کتاب نہیں خود کتاب ہیں

تہذیبِ حریت کا فسانہ ہیں اہلِ بیتؑ　　آزادیٔ بشر کا ترانہ ہیں اہلِ بیتؑ
زلفِ رہِ حیات کا شانہ ہیں اہلِ بیتؑ　　جس میں شکن نہیں وہ زمانہ ہیں اہلِ بیتؑ
مقدور چھین لیں نگہِ کائنات کا
چاہیں تو یہ بدل دیں مقدر حیات کا

قانونِ ارتقائے محبت ہیں اہلِ بیتؑ　　سینے میں دل ہے دل کی حرارت ہیں اہلبیتؑ
انسان کے لبوں کی مسرّت ہیں اہلِ بیتؑ　　ہر دَور کے بشر کی ضرورت ہیں اہلبیتؑ
مخلوق پر عذاب کی صورت نہ آئے گی
جب تک زمیں پہ یہ ہیں قیامت نہ آئے گی

تخلیقِ کردگار کا حاصل ہیں اہلِ بیتؑ　　ہر جادۂ حیات کی منزل ہیں اہلبیتؑ
ناقص بشر کا ذہن ہے کامل ہیں اہلِ بیتؑ　　یہ کائنات دل ہے رگِ دل ہیں اہلبیتؑ
خلّاقِ دو جہاں کے ہُنر کا کمال ہیں
ذاتِ خدا کے بعد یہی لازوال ہیں

جس دل میں حبِّ آلِ نبیؐ کی نہیں اساس　　وہ دوستی سے دُور ہے، وہ دشمنی کے پاس
ہے اس کے جسم پر ہوس و حرص کا لباس　　وہ پھُول کاغذی ہے کہ اس میں ہے بُو نہ باس
جس میں نبیؐ کی آل کا ایمان ہی نہیں
مومن تو کیا وہ قلب مسلمان ہی نہیں

ایمان ہے وفا کی شعاعوں سے تابناک ایمان ہے نفاق کی آلودگی سے پاک
ایمان ہے شہید کا مقتل میں انہماک ایمان کے خمیر میں ہے کربلا کی خاک
مرکز بنی زمین و زماں کی نگاہ کا
اس خاک کو ملا ہے شرف سجدہ گاہ کا

راہِ وفا کی منزلِ تکمیل، کربلا اک عہدِ انقلاب کی تشکیل، کربلا
بزمِ جہاں میں امن کی قندیل، کربلا اجمال اہلِ بیتؑ میں تفصیل، کربلا
ایماں کا یہ نجف ہے مدینہ ہے دین کا
ہے قلبِ کائنات یہ ٹکڑا زمین کا

دنیا میں آسمانِ شجاعت ہے یہ زمیں اک رزمگاہِ جذبۂ ہمت ہے یہ زمیں
مہر و مہ و نجوم کی قسمت ہے یہ زمیں رتبے میں انتخابِ مشیت ہے یہ زمیں
ذی شان ہے زمیں نہ فلک ارجمند ہے
جس کو غمِ حسینؑ ملے وہ بلند ہے

ایمان کی زبان ہے کلامِ غمِ حسینؑ ایمان کی صدا ہے پیامِ غمِ حسینؑ
ایمان کا عروج مقامِ غمِ حسینؑ ایمان جی رہا ہے بنامِ غمِ حسینؑ
یہ غم نہیں تو قہر ہے ظلمت ہے جبر ہے
سینے میں دل نہیں ہے عداوت کی قبر ہے

ایمان صبرِ سبطِ پیمبرؑ کا نام ہے   ایمان ضبطِ عابدِ مضطر کا نام ہے
ایمان زخمِ سینۂ اکبرؑ کا نام ہے   ایمان بے زبانیٔ اصغرؑ کا نام ہے
یوں طے کیا صغیر نے رستہ ثبات کا
اب تک دھڑک رہا ہے کلیجہ حیات کا

اصغرؑ کتابِ کرب و بلا کا حسین باب   جس کی جبینِ عزم سے اُبھرے ہیں انقلاب
چہرہ تھا جس کا عرش سے اتری ہوئی کتاب   توقیر میں حسینؑ شجاعت میں بوترابؑ
انجام دیکھ دیکھ کے ہر اک شہید کا
جھُولے میں جُرم تول رہا تھا یزید کا

ننھے سے دل میں شوقِ شہادت لئے ہوئے   آنکھوں میں دو جہاں کی قیادت لئے ہوئے
چھوٹا سا قد ہے وقت کی قامت لئے ہوئے   چھ ماہ میں ابد کی مسافت لئے ہوئے
قبضہ کئے ہوئے ہے حیات و ممات پر
جھُولے میں ہے نظر ہے مگر کائنات پر

اس کمسنی میں جوشِ نمودِ وفا بھی ہے   بد باطنوں کے شرِّ مرض کی دَوا بھی ہے
پیشِ نگاہ دَہر کی خوئے جفا بھی ہے   بچّہ مگر یہ جان رہا ہے خدا بھی ہے
اذنِ وغا ملے جو شہِ خوش خصال سے
اصغرؑ ملا دیں قطب جنوبی شمال سے

بیٹے کے پاس ماں کی محبت تھی اشک بار　　جھولے میں سر جھکا کے کیا آنسوؤں نے پیار
دیکھا جو اپنے سامنے لٹتی ہوئی بہار　　پڑھنے لگی وہ سورۂ الحمد بار بار
ہر اک خیال روئے پسر سے لپٹ گیا
آنکھیں پھریں تو ماں کا کلیجہ الٹ گیا

پھرنے لگی نظر میں مدینے کی وہ فضا　　صغرٰیؑ کی گود میں علی اصغرؑ کا کھیلنا
ٹوٹے ہوئے دلوں کی تسلی کو اقربا　　دنیا ربابؑ کی تھی زمانہ ربابؑ کا
لیکن یہاں نہ ضبط نہ کوئی نظام ہے
خیمے کے در پہ صبح ہے خیمے میں شام ہے

پڑھ کر درود کرنے لگیں مشکلوں کو رد　　چپ ہو کے دیکھتی رہیں ضبطِ پسر کی حد
دل ہوگیا اداس الجھنے لگی خرد　　بچے پہ ہاتھ رکھ کے کہا یا علیؑ مدد
میزانِ جانکنی میں نگاہوں کو تول کے
چوما گلا پسر کا گریبان کھول کے

آنچل سے اپنے صاف کیا چہرۂ پسر　　ماتھے کی ہر لکیر بنی مرکزِ نظر
بچے نے دودھ اُگل کے جو دیکھا اِدھر اُدھر　　کیا جانے کیا گزر گئی قلبِ ربابؑ پر
خوشیاں غمِ حیات کی تلخی میں گھول دیں
سہلا کے مٹھیاں علی اصغرؑ کی کھول دیں

سلجھائے احتیاط سے بیٹے کے سر کے بال چومے جگر سنبھال کے لختِ جگر کے گال
بیٹے کی پیاس بن گئی ماں کیلئے سوال منت کی ہنسلیوں کو جو دیکھا ہوئیں نڈھال
بیٹے سے حسرتِ دلِ مضطر نہ کہہ سکیں
چاہا، کبھی زبان سے اصغرؑ، نہ کہہ سکیں

طوفان اٹھ رہا تھا کلیجے میں مستقل دیکھے جو خشک ہونٹ ہوا قلب مضمحل
خود اپنے لب کئے لبِ اصغرؑ کے متصل خوشبو ملی پسر کی تو اُلجھا کچھ اور دِل
باہیں گلے میں ڈال کے ارمان نکال کے
رونے لگیں ربابؑ کلیجہ سنبھال کے

ننھی سی جان پر جو کیا ہچکیوں نے وار سمجھی یہ ماں کہ ختم ہوا موسمِ بہار
کرتا تھا دل کے لختِ جگر کا کیا جو پیار جھولے کے ساتھ ہلنے لگا عرشِ کردگار
خطرہ ہے یا حسینؑ پیمبرؐ کے دین کو
اصغر گرے زمیں پہ بچا لو زمین کو

شبِ عاشور

(تذکرۂ شبِ عاشور)

۳۰

سنہ ۱۹۷۵ء

شبِ عاشور

شبِ عاشور ہئیت کے اعتبار سے مسدس، موضوع کے اعتبار سے مرثیہ، اسلوبِ بیان کے اعتبار سے رومانوی نظم اور معنویت میں ایک انقلاب ہے۔ حیات اور موت کے فلسفہ کی تشریح اور بعد از موت زندگی پر ایک مفکرانہ نظر ہے۔ علامہ اقبالؒ کا مرثیہ "والدہ مرحومہ کی یاد میں" زندگی کا تسلسل ہے، مگر وحید الحسن ہاشمی کا "شبِ عاشور" زندگی کے ساتھ ساتھ موت کا تسلسل بھی ہے، جو زندگی کی ابتداء ہے۔ یہی شہادت ہے، کربلا والوں کی، اللہ کی برتری کی اور ماں کی ممتا کی، جو کہ زندگی کے بعد کے تسلسل کو اپنے دامن میں لئے ہوئے خون کے مقدس دھبوں اور جلے ہوئے خیموں کی پاکیزہ راکھ کو چوم رہی ہے۔ ماں کا سینہ کائنات کی وسعتوں کو اپنے دامن میں چھپا لیتا ہے۔ اللہ کی ذاتِ وحدہٗ کے بعد ماں سب سے بڑی خالق ہے: مصرعہ

زینبؑ تجھے خبر ہے مرا دل حسینؑ ہے

صرف بلاغت کی ہی انتہا نہیں ہے بلکہ ایک خالق اپنی تخلیق کے ساتھ اپنا تعلق سمجھا رہا ہے۔ وحید الحسن ہاشمی کا یہ مصرعہ، صرف ایک مصرعہ نہیں ہے۔ کائنات کا دل حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ آپؐ کا دل حضرت فاطمۃ الزہراؑ ہیں اور ان کا دل حضرت امامِ عالی مقامؑ ہیں، تو پھر عالی مقام حسینؑ کس کا دل ہوئے۔ سبحان اللہ! کیا منطقی ربط اور استدلال ہے۔ وحید الحسن ہاشمی صاحب کے مزاج کے برعکس کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ "شبِ عاشور" ایک منفرد مرثیہ ہے، جہاں ایک طرف دل کی گہرائیوں میں محبتوں کے چراغ روشن کرتا ہے تو دوسری طرف شعور کو ایسی روشنی عطا کرتا ہے کہ قاری جذبات سے نکل کر حقیقتوں کی دنیا میں آجاتا ہے۔

ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی
شعبۂ اردو
گورنمنٹ کالج — لاہور

شبِ عاشور

انسان خالقِ دو جہاں کا کمال ہے
انسان شاہدِ نگہِ ذوالجلال ہے
ہر لحظہ زندگی کے لئے خود مثال ہے
مستقبلِ حیات کا انسان حال ہے
رُوحِ حیات فن کی جبیں چُومنے لگی
تصویر وہ بنی کہ فضا جھُومنے لگی

خلقت میں عقل و فہم کا جوہر ہوا نصیب
طینت میں عبدیّت کا مقدر ہوا نصیب
سیرت میں نیکیوں کا سمندر ہوا نصیب
فطرت میں سوزِ قلبِ پیمبر ہوا نصیب
اندازِ اہتمامِ عبادت عطا ہوا
سجدوں کی آب و تاب سے زین العبا ہوا

اس کی اَدا کو حُسنِ وفا نے کیا پسند
اس کے لبوں کو لطفِ دُعا نے کیا پسند
سینے کو اس کے صدق و صفا نے کیا پسند
خود اس کی بندگی کو خدا نے کیا پسند
سہرا اسی کے سر پہ بندھا امتیاز کا
سیکھا ملک نے اس سے سلیقہ نماز کا

تخلیق تھی حسیں تو حسیں زندگی مِلی ذوقِ سخن مِلا، روشِ آگہی مِلی
کیا کیا دل و نظر کے لئے روشنی مِلی مخلوق ہو کے خلق کی صنعت گری مِلی
انساں تمام واقفِ اسرار ہو گیا
خالق کے اعتبار کا معیار ہو گیا

قدرت کا شاہکار ہے انسان کا وجُود محبوبِ حق مرقّعِ گلزارِ ہست و بُود
آراستہ اسی سے ہوئی محفلِ سجُود حد ہو گئی، خدا نے بھی اس پر پڑھا درُود
ہر طرح مظہرِ کرمِ کارساز ہے
صنعت وہ لاجواب کہ صانع کو ناز ہے

انساں انیسِ عشق و وفاؤں کی انتہا انسان دبیرِ فکرِ عبادت کا مدّعا
انساں رئیسِ قدس کی نازآفریں صدا انسان عروجِ ذکرِ خدا شاہِ لافتا
اتنا ہوا غریق خدا کی صفات میں
جو کہہ دیا وہ ہو کے رہا کائنات میں

انساں کے لئے، یہ فلک یہ زمیں بنی اس کا جمال دیکھ کے خلدِ بریں بنی
پھیلا جو اس کا حسن تو فطرت حسیں بنی ٹھہرا یہ جس مقام پہ منزل وہیں بنی
خوشبو لئے بڑھا جو اثر اس کی بات کا
نکھرا جمال گُل کدۂ کائنات کا

انساں حقیقتوں کی ضیا، شاہکارِ حُسن کیفِ دوام، نورِ ازل، تاجدارِ حُسن
رنگینیٔ شبابِ دو عالم بہارِ حُسن قائم اسی کے دم سے ہوا اعتبارِ حُسن
راہِ نظر سنور گئی انساں کی راہ سے
جلوؤں کو آنکھ مل گئی اس کی نگاہ سے

انسان کائنات کی وسعت سے باخبر انسان ذکر و فکر کی عظمت سے باخبر
انسان قدسیوں کی حقیقت سے باخبر انسان اپنے عزم کی قوت سے باخبر
قدرت اُدھر ہو، اس کے ارادے جدھر کے ہوں
اُنگلی اگر اٹھائے تو ٹکڑے قمر کے ہوں

انسان عہد ساز ہے، انسان بُت شکن انسان گُل سرشت ہے، انسان گُل بدن
انسان لَا اِلٰہ کے چہرے کا بانکپن انسان ایک رُوح ہے، انسان پنج تن
فخر اس کے رکھ رکھاؤ پہ اہلِ فلک کریں
اس کا جمال دیکھ کے سجدے مَلک کریں

انسان حرف و صوت ہے، انسان رنگ و بُو انسان خود نماز ہے، انسان خود وضو
تمکینِ نازِ عشق کی ڈھارس وفا کی خُو ظاہر میں اک مقام تو باطن میں چارسُو
اجساد مختلف ہیں مگر جان ایک ہے
چالیس گھر قیام ہے مہمان ایک ہے

اس شان کا بشر ہو تو جنت ہے کائنات — اس شان کا بشر ہو تو پُر نور ہے حیات
اس شان کا بشر ہو تو روشن ہیں شش جہات — اس شان کا بشر ہو تو ہر شب شبِ برات
بے شک یہی دوا ہے غمِ روزگار کی
قبضے میں جس کے نبض ہو لیل و نہار کی

دنیا میں آفتابِ نظر ہے یہی بشر — شام آشنا فضا کی سحر ہے یہی بشر
پیغمبرِ خدا کی سپر ہے یہی بشر — قرآن بھی ادھر ہے، جدھر ہے یہی بشر
جھکنے نہ دی جبینِ سیادت اُصول کی
آواز بن گیا جو زبانِ رسولؐ کی

فطرت کی ہر ادا کا مقدر اسی کی ذات — وحدت کے ہر اصول کا پیکر اسی کی ذات
ہر اک نبیؐ کی فکر کا جوہر اسی کی ذات — نورِ ازل کی طرح منور اسی کی ذات
اس میں یقیں کو اذن ہے اوہام کو نہیں
سجدہ یہاں خدا کو ہے اصنام کو نہیں

جس کا خیال حسنِ چمن زارِ زندگی — جس کی نگاہ پشتۂ دیوارِ زندگی
جس کی حیات مرکزِ آثارِ زندگی — ہر سانس جس کی قافلہ سالارِ زندگی
اترے اگر نظر سے روشِ ما و طین کی
اک آن میں بدل دے طنابیں زمین کی

انسانیت بلند ہے اس کے وجُود سے — سجدہ میں کائنات ہے اسکے سجُود سے
اعلیٰ اسی کا نام ہے نام و نمُود سے — دنیا نکل سکے گی نہ اس کی حدُود سے
یہ نا خدا ہے کشتیٔ انساں کے واسطے
قرآن آگیا اسی عنواں کے واسطے

جہل قیاس اسکی حقیقت سے سرنگوں — مغلوب اسکی عقل سے اوہام کا فسُوں
دنیا کا فہم اسکی نگاہوں میں ہے زبُوں — یہ حکم دے تو مردہ بدن میں رواں ہو خُوں
سُورج کو مہر لفظ و بیاں کا نگیں کرے
کس کی مجال حکم پہ اس کے نہیں کرے

ایسا نظام جس میں کہیں کھنگی نہیں — ایسا اصولِ راہ میں جس کی کجی نہیں
ایسا نصاب جس میں تغیّر کوئی نہیں — ایسی حیات جس کو کبھی موت ہی نہیں
اس کی کوئی مثال نہ اس کا جواب ہے
ساکن یہ عرش کا ہے لقب بوترابؑ ہے

ابنِ ابوترابؑ حسینؑ خجستہ خُو — عمرانؑ کا وقار محمدؐ کی آبرُو
جس کی رگوں میں مادرِ تطہیر کا لہُو — شبّیرؑ کی طرح محسنِ آفاق صلح جُو
رستہ دکھا کے اہلِ جہاں کو نجات کا
چھینا ہے جس نے موت سے جادہ حیات کا

آزادیٔ خیال کو جس نے امان دی مفہوم صبر و شکر کو جس نے زبان دی
جس نے چمن کے واسطے صحرا میں جان دی نرغے میں اہلِ کفر کے جس نے اذان دی
جھومر لہو کا دے کے جبینِ ممات کو
جس نے دُلھن کی طرح سنوارا حیات کو

جس کی ہر ایک سانس عبادت کا ما حصل جس کی نگاہ تا بہ اَبد مشکلوں کا حل
آیات کے حصار میں جس کا ہر اک عمل جس کی نظر اُٹھی تو گِرے جبر کے محل
ٹکرا کے خود کو وقت کے جھوٹے وقار سے
جس نے جلال چھین لیا اقتدار سے

ایمان کو سرور مِلا جس کی ذات سے تہذیب کو شعور مِلا جس کی ذات سے
ذرّوں کو عرشِ طُور مِلا جس کی ذات سے انسانیت کو نُور مِلا جس کی ذات سے
جمہور کو صحیفۂ جمہور دے دیا
آفاق کو حیات کا دستور دے دیا

جو شرعِ انبیاءؑ کے لئے پرچمِ حشم جو وسعتِ نظر کے لئے مستقل بھرم
جو اختیارِ دستِ مشیّت قدم قدم جو مقتلِ وجود میں توحید کا علم
چُوما جسے رسُولؐ کے ناز و نیاز نے
قرآں کو بچا لیا جس کی نماز نے

جس نے نگاہِ قلب کو حُسنِ نظر دیا — آنکھوں کو حُسن، حُسنِ نظر کو اثر دیا
انسانیت کے درد کو جس نے جگر دیا — جس نے ابوالبشر کی زمیں کو بشر دیا
چھالے پڑے نہ شرعِ محمدؐ کے پاؤں میں
پالا ہے جس نے دینِ خدا اپنی چھاؤں میں

زندہ ہے آج ماہِ محرّم دہم کی رات — صدیوں کے آبشار پہ قائم ہے جسکی بات
احساس امتحاں میں شہادت سے التفات — ہنستی ہوئی ممات تڑپتی ہوئی حیات
خوشیاں تمام لمحۂ آفات کے لئے
جیسے کہ دن بنے ہوں اسی رات کے لئے

یہ رات التفاتِ خداوند کی امیں — یہ رات بزم قدس کے منظر سے بھی حسیں
اس کا جواب ہو شبِ اسریٰ نہیں نہیں — یہ رات اصل شرع تو یہ رات اصلِ دیں
چھایا ہُوا تھا حُسنِ دو عالم یقین پر
کچھ آسماں پہ، کچھ تھے ستارے زمین پر

سجدے ہوئے زمینِ وفا ہو گئی بلند — گُل ہو گیا چراغ بڑھی روشنی دو چند
نیزوں کو تول تول کے بیخوف و بے گزند — تاریخ کہ رہے تھے مرتّب نیازمند
فطرت کو اس طرح کے نہ پیارے ملیں گے اَب
مہتاب کو نہ ایسے ستارے ملیں گے اَب

یہ رات اہلِ بیتؑ کی حکمت کا انتخاب   قرآں صفت عمل کی مدوّن ہوئی کتاب
دنیا کے ہر سوال کا لکھا گیا جواب   معلوم ہو گیا شبِ عاشور کا خطاب
شوقِ دُعا نہ ذوقِ عبادت سے پوچھیئے
اس رات کا سکوں شبِ ہجرت سے پوچھیئے

سجدوں کے ذوق و شوق کی تکمیل ہے یہ رات   معراجِ ذکر و فکر کی قندیل ہے یہ رات
قرآن ہے، زبور ہے، انجیل ہے یہ رات   اک مطمئن دماغ کی تخئیل ہے یہ رات
نورِ بقا ہے شمس کی ضو بدر کے لئے
یہ رات آبرو ہے شبِ قدر کے لئے

یہ رات صبح اہلِ نظر عبد کا سُرور   یہ رات زاہدوں کا شرف زہد کا شعور
یہ رات خیمۂ ابدی دین کا غرور   یہ رات اس جہاں کی سحر عاقبت کا نور
خوشنودیٔ خدا کے قبالے اسی میں ہیں
عاشور کی سحر کے اُجالے اسی میں ہیں

یہ رات آبروئے وفا حریت کی لاج   یہ رات ہے زمیں پہ مگر آسماں مزاج
تہذیبِ آشتی نے اسی کو دیا خراج   سجدے ہوئے اسی میں بہ عنوانِ احتجاج
تا روزِ حشر غالب ماضی و حال ہے
اس رات کی جبیں میں حسینی جمال ہے

آئی اسی سے چہرۂ طاعت پہ آب و تاب بخشی اسی نے ہمت و ایثار کی کتاب
چمکا اسی میں صبر و قناعت کا ماہتاب اب تک لئے ہوئے ہے شہادت کا آفتاب
یہ رات اب ہے بنتِ نبیؐ کی دعاؤں میں
زندہ رہے گی چادرِ زینبؑ کی چھاؤں میں

اس رات میں سخا بھی، عطا بھی، کرم بھی ہے مظلومیت کا درد بھی، جاہ و حشم بھی ہے
ہر وقت سعیٔ صلح بھی، لڑنے کا دم بھی ہے انجام کی خوشی بھی، سکینہؑ کا غم بھی ہے
اس کے جلو میں راحت و غم پاس پاس ہیں
سجدے حیات بار ہیں، خیمے اداس ہیں

سوئے فلک جو سبطِ پیمبرؐ کی ہے نظر غم سے دھواں دھواں ہے ستاروں کی رہ گزر
ہے داغ داغ رنج و الم سے دلِ قمر عریاں ہے کربلا کی طرح کہکشاں کا سر
پھرتے ہیں سب عواملِ شب بدحواس سے
شبنم کے ہونٹ خشک ہیں اصغرؑ کی پیاس سے

کانوں میں آرہی ہے مسلسل یہی صدا میرا حسینؑ، میری تمنا، مری دعا
جلتی ہوئی حیات کی زد پر ہے مامتا یہ میری گود اور یہ آغوشِ کربلا
ڈر ہے نہ آئے غیض کہیں بوترابؑ کو
گھیرا ہے بادلوں نے مرے ماہتاب کو

یہ زرد زرد ہونٹ یہ چہرے پہ غم کی دُھول — آنکھیں اُداس رنج والم سے جگر ملُول
کلیوں کی پیاس دیکھ کے مرجھا رہا ہے پھُول — پھر کُفر کے حصار میں ہے نائبِ رسُولؐ
کچھ میری بے بسی کی طرف التفات کر
زینبؑ مِری طرح مرے بچّے سے بات کر

زینبؑ مرے ریاض کا حاصل حسینؑ ہے — زینبؑ مِرے قرار کی منزل حسینؑ ہے
زینبؑ مرے وقار کا حامل حسینؑ ہے — زینبؑ تجھے خبر ہے مِرا دل حسینؑ ہے
زینبؑ ذرا سی بے خبری بھی روا نہیں
ٹوٹا یہ آئینہ تو کوئی دوسرا نہیں

بیٹی یہ امتحان ہے لغزش کوئی نہ ہو — شکوے کا گفتگو میں کوئی لفظ بھی نہ ہو
بھائی کی دیکھ بھال میں کوئی کمی نہ ہو — مجھ کو علیؑ کے سامنے شرمندگی نہ ہو
معلوم ہو بتولؑ نقابِ وفا میں ہے
دُنیا کہے حسینؑ کی ماں کربلا میں ہے

یہ مصطفیٰؐ کی آلؑ پہ مجبورئ حیات — یہ خشک خشک جھومتی کلیاں لبِ فرات
یہ خاکِ کربلا کا بچھونا یہ غم کی رات — تپتی ہوئی زمیں پہ محمدؐ کی کائنات
دیکھوں خیام کو کہ حسینیؑ سپاہ کو
بیٹھوں یہاں کہ صاف کروں قتل گاہ کو

اس رات نے بڑھا دیا میرے جگر کا درد　　کیسے نظر اٹھاؤں کہ بچوں کے رخ ہیں زرد
عابدؑ کے واسطے نہ دوا ہے نہ آب سرد　　اوڑھے ہوئے ابھی سے ہے زینبؑ ردائے گرد

ٹوٹے دلوں کو آس کا مرہم نہ دے سکی
یہ رات چند پھولوں کو شبنم نہ دے سکی

سلام

حشر میں خوبیٔ قسمت کے نظارے بھی تو ہیں
مطمئن ہم ہیں کہ کچھ لوگ ہمارے بھی تو ہیں

ہم ہیں شبیرؑ کے شیدا تو تحیّر کیا ہے
چاند کے حلقہ بگوشوں میں ستارے بھی تو ہیں

عظمتِ خاکِ شفا صرف شہیدوں سے نہیں
اس میں کچھ بولتے قرآن کے پارے بھی تو ہیں

کربلا یوں ہی تو عالم میں نہیں موجِ فشاں
اس تلاطم میں نئی فکر کے دھارے بھی تو ہیں

کیسے ہم سارے ستاروں پہ بھروسہ کرلیں
چرخ کی گود میں کچھ نحس ستارے بھی تو ہیں

کیوں مساوات نہ لے گنجِ شہیداں سے اثر
جونؓ کے ساتھ محمدؐ کے دلارے بھی تو ہیں

تیغِ عباسؑ سے اس واسطے لرزاں ہیں عدو
ان کے اجداد اسی تیغ کے مارے بھی تو ہیں

◎

خُلقِ حسنؑ

(در حالِ امامِ حسنؑ)

(۴۵)

سنہ ۱۹۷۶ء

خلقِ حسنؑ

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شخصیت، سیرت، کردار، فضائل، عمل اور مظلومی کے بارے میں اُردو میں کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا اور اُردو مرثیے میں تقریباً میدان خالی ہے۔ اردو کا کلاسیکی مرثیہ زیادہ تر واقعاتِ کربلا تک محدود رہا، کہیں کہیں اس میں جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم، جنابِ امیر علیہ السلام اور جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا کے مرثیے بھی ملتے ہیں۔ اس اعتبار سے وحید الحسن ہاشمی نے ایک اچھی روایت کا آغاز کیا ہے کہ انہوں نے پورا مرثیہ حضرت امام حسنؑ کے بارے میں قلمبند فرمایا ہے اور "مختصر مرثیہ" کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس میں حضرت امام حسنؑ کے خُلق اور شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا نہایت مناسب طریقے سے تعارف کروایا گیا ہے۔

وحید الحسن ہاشمی ہمارے معاصر مرثیہ نگاروں میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت اُردو مرثیہ کو ایک نیا اسلوب اور نئے ابعاد دیئے ہیں اور اسے "مختصر مرثیہ" کے نام سے روشناس کروایا ہے اور کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ہر مرثیہ میں ایک مخصوص موضوع جاری وساری رہے تاکہ سننے والے صرف رونے ہی کے لئے مرثیہ نہ سنیں، بلکہ ان کے دماغ میں فکر کی شمعیں بھی روشن ہوں۔

سید سجاد رضوی

ماہرِ مضمون
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ ــ لاہور

خلقِ حسن

اخلاق پر مدارِ شعورِ حیات ہے
اخلاق اہلِ فکر کی راہِ نجات ہے
اخلاق ہی سے کون و مکاں کا ثبات ہے
اخلاق اہلِ بیتؑ کے ہونٹوں کی بات ہے
اس کی بقا ہے حق و صداقت کی راہ میں
پلتا ہے یہ مزاج رسالتؐ پناہ میں

شمعِ کمالِ حُسن کی اخلاق سے ہے ضو
اخلاق زندگانیٔ بزمِ جہاں کی رَو
اخلاق ہی کے نور سے بڑھتی ہے اسکی لَو
اخلاق کی حیات کے عنواں ہیں نَو بہ نَو
دونوں کی احتیاط کا انجام نیک ہے
قرآں کہو کہ خلق کہو بات ایک ہے

تبلیغِ دیں ہے شہر تو اخلاق ہے فصیل
اَمرِ خدا ہے خُلد تو اخلاق سلسبیل
حق ہے رہِ ثواب تو اخلاق سنگِ میل
حُجّتِ نبیؐ کا دل ہے تو اخلاق جبرئیلؑ
جوہر ہے صنعتِ کرمِ کارساز کا
یہ خود نہیں نماز، وضو ہے نماز کا

اخلاق ہے تو بزمِ شریعت ہے پُر وقار
اخلاق ہے تو چہرۂ طاعت ہے آبدار
اخلاق ہے تو فرضِ اطاعت ہے کامگار
اخلاق ہے تو فکرِ نبوّت ہے استوار
اس سے پتہ مِلا ہے صداقت کی راہ کا
اخلاق دل ہے اشھدُ اَن لَا اِلٰہ کا

اخلاق سے ہے گلشنِ الفت میں تازگی
یہ چاند بانٹتا ہے محبّت کی چاندنی
اس نور سے بشر کی منوّر ہے زندگی
اس عطر کی مہک سے مہکتا ہے آدمی
رنگینئ حیات کے ماتھے کی تاب ہے
اخلاق زندگی کے چمن کا گلاب ہے

اسلام کی بقا کا خزانہ یہی تو ہے
تسبیحِ امن و صلح کا دانہ یہی تو ہے
حق کو عزیز ہے جو فسانہ یہی تو ہے
جس کو مٹا سکا نہ زمانہ یہی تو ہے
اخلاق علم دوست ہے، قدرت شناس ہے
یہ وہ ہے ہر نبیؐ کی سند جس کے پاس ہے

مِلّت کا امتیاز ہے اخلاق کا شعور
مغلوب قوم ہو تو چمکتا نہیں یہ نُور
اسکی روش طریقِ ہزیمت سے دُور دُور
لَاسیف وَلَا فتیٰ ہے اسی جام کا سُرور
اس کے قدم ہیں فتح کی راہِ ثواب میں
لفظِ شکست ہی نہیں اس کی کتاب میں

اخلاق کی نماز کا قبلہ خدا کی ذات　　　اخلاق راہبر ہو تو آساں رہِ نجات
اخلاق ہے بشر کے مقدّر کی کائنات　　　اخلاق کی حیات ہے انسان کی حیات
تا حشر اس عمل سے بقا کی نوید ہے
اخلاق پر مرا ہے تو انساں شہید ہے

اخلاق کی نظر ہو تو مشرک ہو پاک باز　　　اخلاق کی سپر ہو تو دشمن ہو صلح ساز
اخلاق کا گزر ہو تو کافر ہو دل نواز　　　اخلاق کا اثر ہو تو ملحد پڑھے نماز
فطرت کی آب و تاب یہی روشنی تو ہے
وحدت کو جس پہ ناز وہ سجدہ یہی تو ہے

اخلاق کے بغیر نہ ایماں نہ آگہی　　　اخلاق پست ہو تو رعونت ہے زندگی
اخلاق کی کمی بشریت کی ہے کمی　　　اخلاق ہی کی موت سے مرتا ہے آدمی
مانی ہوئی یہ بات ہے عقلِ سلیم کی
بوجہل ضد ہے صاحبِ خُلقِ عظیم کی

خُلقِ عظیم شانِ رسولِ فلک پناہ　　　خُلقِ عظیم سیّدِ لولاکؐ کی نگاہ
خُلقِ عظیم فکرِ پیمبرؐ کی شاہراہ　　　خُلقِ عظیم شہرِ تمدّن کا سربراہ
اس کے بغیر قلب کی دنیا میں شام ہے
خُلقِ عظیم ذہن کے سورج کا نام ہے

خُلقِ عظیم ذہنِ رسالتؐ کا شاہکار — خُلقِ عظیم سیدِ بطحا کے دل کا پیار
خُلقِ عظیم شانِ نبوت کا اعتبار — خُلقِ عظیم عصمتِ معصوم کا نکھار
یہ جادۂ اشاعتِ دیں کا نظام ہے
خُلقِ عظیم آلِ محمدؐ کا نام ہے

اخلاق ہے نبیؐ کے گھرانے سے سر بلند — اخلاق کو علیؑ کی ادائیں ہیں سب پسند
اخلاق فاطمہؑ کی حیا کا نیاز مند — اخلاق پر حسینؑ نے آنے نہ دی گزند
اس گلستاں میں پھول سے رونق ہے پھول کی
خُلقِ حسنؑ بہار ہے خُلقِ رسولؐ کی

اخلاق کی نظر کو حسنؑ سے ملا قرار — تہذیب کی زمیں ہے انہی سے فلک وقار
ان کے لبوں کا حسن ہے تسبیحِ کردگار — قرآں کو حسنؑ سے ملا ظرفِ اعتبار
پاکیزگی کا دخل ہے دونوں کے نام میں
دونوں زمیں پہ آ گئے ہیں ماہِ صیام میں

قندیلِ بوترابؑ کی تنویر ہیں حسنؑ — پیغمبرؐ حیات کی تصویر ہیں حسنؑ
زہراؑ دعائے نور ہیں تاثیر ہیں حسنؑ — خُلقِ عظیم خواب ہے تعبیر ہیں حسنؑ
محرابِ غرب و شرق میں جلوہ حسنؑ کا ہے
اسلام جی رہا ہے، یہ صدقہ حسنؑ کا ہے

شیرِ خدا کی طرح سرافراز ہیں حسنؑ　　ہر صاحبِ ضمیر کی آواز ہیں حسنؑ
ہر اک نبیؐ کے نطق کا اعجاز ہیں حسنؑ　　جو راز ہیں رسولؐ، وہی راز ہیں حسنؑ
حق کے نبیؐ کی طرح یہ قدسی صفات ہیں
شکلِ بشر میں معجزۂ کائنات ہیں

بالیدگیٔ زہد و شرف کا شباب ہیں　　یہ بولتی جمالِ خدا کی کتاب ہیں
باطل کے وسوسوں کا مکمل جواب ہیں　　قرآن معتبر ہے ابنِ رسالتمآبؐ ہیں
شیرِ خدا کا ناز، تمنا بتولؑ کی!
یہ خود نہیں رسول، نظر ہیں رسولؐ کی

اللہ کے نبیؐ کا چلن ہے حسنؑ کا نام　　خوشنودیٔ خدائے زمن ہے حسنؑ کا نام
قرآن کا کمالِ سخن ہے حسنؑ کا نام　　ایماں بکف حدیثِ حسنؑ ہے حسنؑ کا نام
دنیا کی ان کے سامنے کیا آب و تاب ہے
نانا رسولِ پاکؐ پدر بوترابؑ ہے

ان کے قدم کی خاک ستاروں کی جلوہ گاہ　　ان کی نظر سے پست ہے کونین کی نگاہ
یہ عرشِ کبریا کے مسافر ازل کی راہ　　بحرِ کرم کو ان کے کرم کی ملے نہ تھاہ
تقدیر ہیں خدائے دو عالم کے دین کی
یہ زندگی ہیں رحمۃٌ للعالمینؐ کی

آئے جہاں میں صلح کا سینہ لئے ہوئے اخلاقِ مصطفٰےؐ کا خزینہ لئے ہوئے
اللہ کے کرم کا سفینہ لئے ہوئے پائے وفا پہ عرش کا زینہ لئے ہوئے
اب مطمئن ہے ذوقِ نظر کائنات کا
آغوش میں بتولؑ کے دل ہے کائنات کا

جلوہ فگن ہے رحمتِ پیغمبرِؐ جلیل کوثر دہن کے پاس ہے قدموں میں سلسبیل
فضہؑ سنا رہی ہیں انہیں قصۂ خلیلؑ جھولا جھلانے عرش سے آتے ہیں جبرئیلؑ
حیدرؑ کا علم، عظمتِ زہراؑ ہو شان میں
پلتا ہے پھر شعورِ امامت جہان میں

کتنے حسین ہاتھ تو کیا خوش نظر ہیں پاؤں عالم کی رہبری کے لئے معتبر ہیں پاؤں
اسلام کی وہ سمت ہے اُنکے جدھر ہیں پاؤں یہ پشتِ مصطفٰےؐ پہ نہیں عرش پر ہیں پاؤں
ہاتھوں میں مثلِ زلف خرد کی زمام ہے
معراج اس ادا کی بلندی کا نام ہے

زہراؑ کی گود مدرسۂ فکر و احتساب حیدرؑ کی گود علم کی اک مستند کتاب
آغوشِ مصطفٰےؐ ہے عبادت کا کل نصاب مکہ مقامِ امن، مدینے میں انقلاب
آنکھوں میں گردشیں ہیں بسی صبح و شام کی
ان ساری منزلوں پہ نظر ہے امامؑ کی

طرزِ مباہلہ کی فضا بھی نظر میں ہے — وہ امتحان اہلِ کسا بھی نظر میں ہے
وہ کفرِ ظاہری کی خطا بھی نظر میں ہے — اکھڑی ہوئی عدو کی ہوا بھی نظر میں ہے
حاصل یہ ہے کہ زخم کا آئینہ توڑ دے
دشمن شکست مان لے اپنی، تو چھوڑ دے

یہ فیصلہ بھی وقت کا ہے باعثِ قلق — اہلِ ہوس نے جبر سے چھینا علیؑ کا حق
قرآں میں مصلحت کے بڑھائے گئے ورق — خود ساختہ حدیثوں کے لکھے گئے سبق
سب کچھ ہوا اصولِ شریعت جلی رہے
بدلا مزاجِ دہر، علیؑ پھر علیؑ رہے

یہ مسئلہ بھی چشمِ حسنؑ میں ہے جلوہ گر — رقصاں تھے جب بساطِ خلافت پہ اہلِ شر
شبیرِ خدا کے حق کو سراہا گیا مگر — خود اپنے وضع کردہ اصولوں کی شرط پر
انکارِ بوترابؑ بڑا کام کر گیا
جو سنتِ نبیؐ سے بڑھا آپ مر گیا

صفین کے، جمل کے تقاضے ہیں سامنے — سارے منافقوں کے ارادے ہیں سامنے
اللہ کی سپاہ کے جلوے ہیں سامنے — قرآں سے لگے ہوئے نیزے ہیں سامنے
ابھرا یہ نقش ذہنِ حقیقت نہاد میں
تلوار روکنا بھی ہے شامل جہاد میں

پیشِ نظر ہیں باپ کی دشواریاں تمام — کیسے چراغِ صبح تک آئی ہوائے شام
حاسد دلوں کو پھونکتا تھا جوشِ انتقام — لیکن رہے خموش نبیؐ کی طرح امامؑ
ظاہر نہ ہو سکا جو لہو آستیں پہ تھا
قاتل کہیں تو خنجرِ قاتل کہیں پہ تھا

یہ فکر اب حسنؑ کے لئے وجہِ اضطراب — مقصد یہ ہے عدو کی نہ سازش ہو کامیاب
وہ کام ہو کہ ظلم کا چہرہ ہو بے نقاب — خود آستیں لعیں کی کہے خونِ بوترابؑ
تاریخ قتلِ نفسِ نبیؐ جب تمام ہو
پیشانیٔ کتاب پہ قاتل کا نام ہو

سبطِ نبیؐ نے کی جو زمانے پہ اک نظر — آئینِ مصطفیٰؐ کی جبیں تھی لہو میں تر
اسلام جیسے راہ میں ٹوٹا ہوا شجر — قرآن جیسے ظلم سے توڑا ہوا ثمر
عقبیٰ تھی اک مذاق نگاہِ عوام میں
ایمان تول تول کے بکتا تھا شام میں

چشمِ حسنؑ یہ دیکھ رہی تھی ادائے شام — اُٹھی حرم کی شمع بجھانے ہوائے شام
نکلی خدا کے دین کو ڈسنے بلائے شام — غُل تھا کہ اب مدینے میں پھیلی وبائے شام
مغموم ہو گیا تھا جو چہرہ عوام کا
مُنہ ذوالفقار دیکھ رہی تھی امام کا

لیکن علیؑ کا لالؑ شریعت کا پاسباں
سُلجھا رہا تھا دیں کے مسائل کی گتھیاں
آمادۂ جہاد جو ہوتا علیؑ کی جاں
پٹتے دیارِ شام کے مُردے بھی الاماں
اٹھتا جو ہاتھ سبطِ رسالتمآبؐ کا
لاتا کچھ اور رنگ لہو بوترابؑ کا

پھر شام کی فضا میں چمکتی جو ذوالفقار
روئے زمیں پہ تاج نہ ہوتا نہ تاجدار
آغوش میں فرات کے بہتی لہو کی دھار
لیکن حسنؑ نے صبر دکھایا بہ اختیار
کرتے اگر یہ چاک جگر مشرکین کا
دنیا میں پھر جہاد نہ ہوتا حسینؑ کا

دشمن ہوا جو صلح پہ مائل تو صلح کی
خود آگیا بصورتِ سائل تو صلح کی
جب ہوگیا وہ دین کا قائل تو صلح کی
مانے گئے علیؑ کے فضائل تو صلح کی
دنیا ہے معترض تو یہ دنیا کی بھول ہے
صلحِ حسنؑ تتمۂ صلحِ رسولؐ ہے

اسلام کی حیات کا پرچم حسنؑ کا ضبط
قانونِ اتحاد مجسّم حسنؑ کا ضبط
ملّت کے زخم زخم کا مرہم حسنؑ کا ضبط
رازِ بقائے وحدتِ آدم حسنؑ کا ضبط
دی دادِ ضبط فاتحِ بدر و حنین نے
ان کو امام کہہ کے پکارا حسینؑ نے

اُن کے دہن کو چومتے تھے سیّدِ عرب اُن کے اَدب کی وجہ سے زندہ ہوا ادب
اُن کے لئے عسل کی طرح تلخیٔ تعب اُن کے لئے نہ سوتی تھیں زہراؑ تمام شب
اُن کی ہر اک ادا کو فراموش کر دیا
دنیا نے اُن کو زہر سے خاموش کر دیا

بے دم ہوئے تو کر لیا چہرے کو قبلہ رُو کلفت تھی اور گرد اُداسی تھی چار سُو
آنے لگا جو غش تو بڑھی حق کی جستجو دنیا کا کچھ خیال، نہ دنیا کی گفتگو
زہرِ ستم نے کر دیا عاجز کلام سے
آنکھوں کو کھول دیتے تھے زینبؑ کے نام سے

پکڑے ہوئے جگر تھا محمدؐ کا نورِ عینؑ کروٹ بدل رہا تھا دلِ مرتضٰیؑ کا چین
دل کو رلائے دیتے تھے سیدانیوں کے بین بھائی کا خُون دیکھ کے رونے لگے حسینؑ
وہ طشت میں لہو تھا نہ ابنِ بتولؑ کا
کٹ کٹ کے گر رہا تھا کلیجہ رسُولؐ کا

دل میں جہانِ درد کے حالات کا بھی غم انسانیت پہ یورشِ آفات کا بھی غم
اہلِ وفا کا رنج بھی سادات کا بھی غم تنہا حسینؑ ہو گئے اس بات کا بھی غم
سارے غموں کی رُوح تھا میدانِ کربلا
چشمِ حسنؑ تھی اور غریبانِ کربلا

آخر وہ وقت آ گیا رخصت ہوئے حسنؑ ۔ مانندِ شمع بجھ گیا زہراؑ کا گلبدن
شورِ فغاں کی نذر ہوئی بزمِ پنجتن ۔ اب سیدہؑ کا لال تھا پہنے ہوئے کفن
نیند آ گئی تھی صلح کے پروردگار کو
گویا خزاں نے لوٹ لیا تھا بہار کو

قاسمؑ کی کمسنی پہ یتیمی ہوئی نثار ۔ سیلاب اشک بن گیا زینبؑ کا اضطرار
اٹھنے لگا جنازۂ معصومِ روزگار ۔ بے چینیوں میں ڈوب گیا مصطفیٰؐ کا پیار
ملتی نہیں مثال یہ تاریخ دہر میں
اسلام رو رہا تھا مدینے کے شہر میں

تاریخ کی نگاہ میں خوں بار داستاں ۔ ہر محفلِ شعور بھی اب تک ہے نوحہ خواں
تیروں کا آبشار جنازے پہ الاماں ۔ امّت کے ہاتھ اجرِ رسالتؐ کی دھجیاں
گلشن میں ایک وارثِ گلشن نہ جا سکا
نانا کے پاس قبر نواسہ نہ پا سکا

سلام

دونوں جہاں میں کوئی بشر ہے حسینؑ سا
آئے نظر کہیں تو اگر ہے حسینؑ سا

جس کو رسولِ پاکؐ نے اپنا پسر کہا
کس کا جہاں میں لختِ جگر ہے حسینؑ سا

جس نے اجل کے سامنے ہنس ہنس کے بات کی
سینے میں کس کے آج جگر ہے حسینؑ سا

بچے کو لے کے آگئے فوجوں کے سامنے
ڈر کی فضا میں کون نڈر ہے حسینؑ سا

جس نے سلف کے سارے عمل جگمگا دیئے
بتلاؤ کون نورِ نظر ہے حسینؑ سا

ملتی ہے جس کے نور سے خورشید کو حیات
بولو وہ کون رشکِ قمر ہے حسین سا

بڑھتے قدم نہ راہِ وفا میں کہیں رُکے
کس کے جگر میں عزمِ سفر ہے حسینؑ سا

بے چین اک سر کے لئے کیوں ہوا یزید
وہ جانتا تھا حاملِ سر ہے حسینؑ سا

حسینؑ اور قربانی

(در حالِ امام حسینؑ)

۵۰

۱۹۷۷ء

حسینؑ اور قربانی

سید وحید الحسن ہاشمی کا مرثیہ "حسینؑ اور قربانی" نظر سے گزرا۔ ہاشمی صاحب کو میں ایک ایسے چابک دست معمار سے تشبیہہ دیتا ہوں جو فن تعمیر میں منتہی ہو اور جس کے کمال کی انتہاؤں تک رسائی آسان نہ ہو..... ایسا معمار جو عمارت بھی اٹھائے گا، وہ حسنِ تعمیر کا بے مثل نمونہ ہو گی۔ ہاشمی صاحب کی شاعری میں ہر جگہ حُسن ہی حُسن نظر آیا۔ لفظ سے معنی تک، خیال سے اظہار تک اور زبان سے بیان تک کرشمہ دامنِ دل می کشد۔

زیرِ مطالعہ مرثیے کا آغاز ایک ایسے آشوب کے ذکر سے ہوتا ہے، جو عصرِ حاضر کا ایک تشویش انگیز مسئلہ ہے۔ آج آدمی ظاہر و باطن کے شدید تضاد میں مبتلا ہے: ؏

لب پر خدا خدا ہے، نظر اقتدار پر

اس نفاق و تضاد نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے۔ وہ اپنی شکست کی ایک اندوہ ناک آواز بن کر رہ گیا ہے۔ وہ خدا اور بت، خیر اور شر، قناعت اور حرص، خودی اور بے خودی، دین داری اور دنیا داری کے درمیان پھنس کر اور کٹ کر اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا ہے۔

اس مرثیے میں زبردست معنوی تنظیم کارفرما ہے۔ خاص طور پر مصائب کا بیان اتنا پُر درد ہے کہ آنکھیں پڑھتی ہیں اور دل سینے میں پگھل جاتے ہیں۔ پڑھنے والے کا پورا وجود لہو بن کر آنکھ سے ٹپک جاتا ہے..... مختصر یہ کہ "حسینؑ اور قربانی"، ایک ایسی عظیم الشان رثائی تخلیق ہے، جو ہر عہد کی طرح عہدِ گزراں کے آدمی کے سامنے مشعلِ ہدایت روشن کرتی ہے اور اس کے فکر و عمل کا قبلہ درست کرتی ہے۔ میں اسے سیّد وحید الحسن ہاشمی کا "منظوم منشورِ حیات"، قرار دیتا ہوں۔

پروفیسر عاصی کرنالی

۵۴ شالیمار کالونی
بوسن روڈ ــــ ملتان

حسینؑ اور قربانی

وہم و گماں کے دشت میں حیراں ہے آدمی
اک مستقل خیال پریشاں ہے آدمی
خود اپنی زندگی سے گریزاں ہے آدمی
ہر دم شکارِ گردشِ دوراں ہے آدمی
دوشِ نظر سے چادرِ غیرت اتار کے
دنیا لیے ہے دین کی توفیق ہار کے

خنجر ہے آدمی کے لئے آدمی کی بات
خود رفتگی کے زہر سے مضطر ہے کائنات
کم ظرف چھینتا ہے گلوں سے زرِ حیات
نقدِ حواس پر ہے خریدارِ شش جہات
بگڑی ہوئی ہے بات خدا جانے کیا بنے
اب آدمی کو فکر یہی ہے خدا بنے

یہ فکر ہے جہاں کے لئے دردِ مستقل
یہ فکر ہے خلافِ تقاضائے آب و گل
یہ فکر ہے نگاہ کی دشمن رقیبِ دل
انسانیت ہے آج اسی فکر سے خجل
قدرت شعور پر نہ بھروسہ شعار پر
لب پر خدا خدا ہے نظر اقتدار پر

رہزن کی اب یہ ضد ہے کہ رہبر کہیں اُسے
مفلس یہ چاہتا ہے تونگر کہیں اُسے
قطرے کی آرزو ہے سمندر کہیں اُسے
جاہل مصر ہے نفسِ پیمبر کہیں اُسے
حکمِ امام اس کی نظر میں عناد ہے
اپنی روش غلط ہو تو وہ اجتہاد ہے

کیا کیا فریب آپ سے کرتا ہے آدمی
جینے کے اشتیاق میں مرتا ہے آدمی
خود ساز گمرہی سے گزرتا ہے آدمی
تسکینِ دینِ رسولؐ توڑتا ہے آدمی
اس کی نظر میں حق کا قرینہ کوئی نہیں
دشتِ عرب ہے دل میں مدینہ کوئی نہیں

کتنا حریصِ منصبِ دنیا ہے آدمی
غارت گری کی جھیل میں ڈوبا ہے آدمی
جاگا اگر تو خواب میں جاگا ہے آدمی
سلجھے ہوئے نظام سے اُلجھا ہے آدمی
الزام رکھ رہا ہے خرد کی اساس پر
حق پر اسے گماں ہے، یقیں ہے قیاس پر

مانندِ روز و شب ہے بیان و عمل میں فرق
غربت کی گفتگو ہے تو پوشاک زرق برق
درسِ خودی زمانے کو، خود بیخودی میں غرق
خواہش یہ ہے کہ زیرِ اطاعت ہوں غرب و شرق
اتنی ہوس کہ ذہن کا محور بھی چھین لے
بس میں نہیں ہے ورنہ مقدر بھی چھین لے

اب بھی رہِ نفاق پہ چلتا ہے آدمی   اب بھی گناہ کر کے مچلتا ہے آدمی
اب بھی نفس کی آگ میں جلتا ہے آدمی   اب بھی قدم قدم پہ بدلتا ہے آدمی
دُھندلا ہے دل کا آئینہ دنیا کی دُھول سے
اَب بھی گلاب پست ہے کاغذ کے پھُول سے

ہر ذات اپنی ذات سے رسوا ہے اِن دنوں   عقبیٰ کے رُخ پہ غازۂ دنیا ہے اِن دنوں
سستا بہت ضمیر کا سودا ہے اِن دنوں   غیرت کسی غریب کا لاشا ہے اِن دنوں
کتنا حسین فریبِ نظر کھا رہے ہیں لوگ
دو کشتیوں میں پاؤں ہیں اور جا رہے ہیں لوگ

ڈوبا ہوا ہے بحرِ اَنا میں مزاجِ دَہر   اُٹھتی نہیں لہو میں خلوص و وفا کی لہر
جاری ہے دشتِ ذہن میں خود غرضیوں کی نہر   پیتا ہے آج آدمی اپنے بدن کا زہر
ایثارِ جسم و جاں کی کوئی گفتگو نہیں
اب کائناتِ دل میں فقط مَیں ہے، تُو نہیں

مومن کو یہ طریقِ رعونت ہے ناگوار   مومن قبائے فخر کو کرتا ہے تار تار
نخلِ وفا کو دے کے مقدس لہو کی دھار   مومن خریدتا ہے خدا سے خدا کا پیار
وہ چاہتا ہے مرضیٔ حق پر نظر رہے
کڑیل جواں پسر نہ رہے، حق مگر رہے

تسکینِ آرزو کا بھرم ہے جواں پسر   باقی ہے یہ بھرم تو جواں ہے دلِ پدر
ہر سخت مرحلے پہ غرض مند ہے بشر   دل کی کشش جدھر ہو نظر کا سفر اُدھر
لیکن وہی خلیل ہے وحدت کی راہ میں
لائے جو اپنے لال کو خود قتل گاہ میں

قربانیٔ پسر سے نکھرتا ہے آدمی   قربانیٔ پسر میں ہے منشائے ایزدی
لاریب یہ نماز ہے تقدیرِ بندگی   قربانیٔ پسر ہے ادائے پیمبری
حق سے فضیلتوں پہ فضیلت عطا ہوئی
اس کے سبب نبیؑ کو امامت عطا ہوئی

کتنا نظر فروز ہے یہ جذبۂ حسیں   یہ کیفیت ہے عشق کی صہبائے انگبیں
انسان ہے اسی کی بدولت فلک نشیں   اس کے طفیل عرش سے بالا ہوئی زمیں
حق ان کے ساتھ ہے جو مٹے ہیں برائے حق
ٹھہری ہے ایک نفس کی قیمت رضائے حق

لیکن بشر کو اپنے سوا کچھ خبر نہیں   اس طرح جی رہا ہے کہ جیسے بشر نہیں
اہلِ نظر کے اشکِ رواں پر نظر نہیں   غربت زدوں کی بات کوئی معتبر نہیں
نظریں ہر ایک قلبِ پریشاں سے موڑ کے
تصویر دیکھتا ہے یہ آئینہ توڑ کے

یہ کیا کہ حُسن سرو و سمن اپنے واسطے غیروں کو دشتِ خار، چمن اپنے واسطے
دنیا کو دُکھ، سکونِ بدن اپنے واسطے پردیس دوسروں کو، وطن اپنے واسطے
زندہ معاشرے میں اسیرِ مرض کہو!
ایسے بشر کو کچھ نہ کہو، خود غرض کہو!

یہ کیا کہ ہر خیال کا محور ہو اپنی ذات یہ کیا کہ ہر نگاہ کا منظر ہو اپنی ذات
یہ کیا کہ ہر خلوص کا جوہر ہو اپنی ذات یہ کیا کہ ہر بشر کا مقدر ہو اپنی ذات
جو زندگی میں نفس کی خواہش سے دُور ہے
وہ آدمی امام ہے، وحدت کا نُور ہے

قربانیوں سے حوصلۂ زندگی بڑھا قربانیوں سے سلسلۂ آگہی بڑھا!
قربانیوں سے مرتبۂ عاشقی بڑھا قربانیوں سے دبدبۂ آدمی بڑھا!
لاعلم تھے ملک ہدفِ بے بسی بنے
پچھتا رہے ہیں ہم بھی نہ کیوں آدمی بنے

قربان گہِ حیات میں رکھتے ہیں جو قدم ان کی نظر بہشت ہے، ان کی نظر ارم
رکھتے ہیں اپنے دل میں جو خلقِ خدا کا غم سائل تو کیا سوال کا رکھتے ہیں وہ بھرم
سب کچھ وہ جان لیتے ہیں چہرے کے حال سے
سائل کو بخش دیتے ہیں پہلے سوال سے

قربانیوں کو ان کے لہو سے بقا ملی — دستِ طلب کو شوخیٔ رنگِ حنا ملی
ایثار کے وجود کو روحِ عطا ملی — کعبے کے قلب کو نظرِ کربلا ملی
پھیلی فروغِ بزم کی ضو رزم گاہ میں
یہ دل بچھا گئے ہیں شہادت کی راہ میں

بیداریٔ عمل کا جو گھٹنے لگا وقار — ھمدردیٔ نظر کا جو لٹنے لگا سنگار
چلنے لگی جو حق کے گلے پر چھری کی دھار — اہلِ فساد کہنے لگے صبر کو فرار
زخموں کو مسکرا کے سیا اہلِ بیتؑ نے
قربانیوں کو پیار کیا اہلِ بیتؑ نے

قربانیوں کا حسنِ مجسم ہیں اہلِ بیتؑ — عظمت ہے زندگی تو معظم ہیں اہلِ بیتؑ
قربانیاں کرم ہیں، مکرم ہیں اہلِ بیتؑ — دنیا اگر ہے زخم تو مرہم ہیں اہلِ بیتؑ
ان کے عمل سے گلشنِ ہستی میں رنگ ہے
ان کے بغیر صلح ہے کوئی نہ جنگ ہے

انسانیت کی پیاس بجھاتے ہیں اہلبیتؑ — اجڑے ہوئے دلوں کو بساتے ہیں اہلبیتؑ
پہلو میں غم زدوں کو بٹھاتے ہیں اہلبیتؑ — آنسو رکیں تو خون بہاتے ہیں اہلبیتؑ
تالیف دل میں شب سے سحر ہو گئی انہیں!
آنسو بہے کسی کے خبر ہو گئی انہیں!

دنیا سے اپنا درد چھپاتے ہیں اہلِ بیتؑ زخموں کے پھول تن پہ سجاتے ہیں اہلبیتؑ
تاریکیوں میں راہ دکھاتے ہیں اہلِ بیتؑ قندیلِ حق لہو سے جلاتے ہیں اہلبیتؑ
حق کی طرف سے شاہدِ مطلق ہیں دین پر
ساکن یہ عرش کے ہیں، بسے ہیں زمین پر

قربانیٔ حیات کو اب ڈر نہیں رہا ذہنوں کو خوفِ ناوک و خنجر نہیں رہا
عزمِ خلیلؑ رہ گیا آذر نہیں رہا آئینۂ حق ہے دینِ سکندر نہیں رہا
ایثار کی کماں کو نئے تیر مل گئے
قربانیاں اداس تھیں شبیرؑ مل گئے

شبیرؑ کے حصار میں قربانیاں بڑھیں سامان لے کے بے سروسامانیاں بڑھیں
حد سے سوا جو کذب کی جولانیاں بڑھیں تردیدِ ظلم و جور کو سیدانیاں بڑھیں
اہرامِ کفر و شرک کی بنیاد ہل گئی!
قربانیٔ حیات کو معراج مل گئی!

قانونِ زندگی کو حسینی نظر ملی مجروح فکر کو نگہِ چارہ گر ملی
غیرت کو حق پسندی دردِ جگر ملی رہرو کو کربلا کی رہِ معتبر ملی
اٹھی قضا حیات کا ساغر پیے ہوئے
قربانیاں سمٹ گئیں مقتل لئے ہوئے

ہمت کسی میں ہو تو یہ انداز روک لے　　انجام کی خبر دمِ آغاز روک لے
دم ہے تو جبرئیلؑ کی پرواز روک لے　　ہاں اب کوئی حسینؑ کی آواز روک لے
لشکر کا زعم لے کے اگر آئے گا یزید
اصغرؑ کے لب ہلیں گے تو مر جائے گا یزید

گزرے جہاں میں یوں تو شہیدانِ نیک نام　　اصغرؑ پہ ختم ہو گئیں قربانیاں تمام
وہ بیکسی کی دھوپ وہ تنہائیِ امام　　اک باپ ہے جو فوجِ عدو سے ہے ہم کلام
سچائیوں کو عزم کا محور کئے ہوئے
قرآں کی شکل ہے علی اصغرؑ لئے ہوئے

پانی کا نام لے تو حمیّت کے ہے خلاف　　کچھ مانگنا غیوّر طبیعت کے ہے خلاف
پیچھے قدم ہٹیں یہ شجاعت کے ہے خلاف　　آواز دیں رباب کو غیرت کے ہے خلاف
اپنی مثال منزلِ غیرت یہ آپ ہے
بیٹا سمجھ رہا ہے کہ مجبور باپ ہے

یہ فکر تھی مدد میں تغافل کوئی نہ ہو　　معیارِ صبر و ضبط میں کوئی کمی نہ ہو
نامِ علیؑ کی دَبر میں بے حرمتی نہ ہو　　در پر کھڑی ربابؑ کہیں دیکھتی نہ ہو
قرآن کو حسینؑ نے کعبہ بنا دیا
بچے کو کربلا کی زمیں پہ لٹا دیا

وہ گرم گرم ریت وہ جان و دلِ رباب صحرا میں دھوپ دھوپ کے صحرا میں اک گلاب
تھا وادیٔ زمیں کے مقدر کا آفتاب پوتا بنا ہوا تھا علیؑ کا ابو ترابؑ
کیا کیا گزر رہی تھی دلِ ماوطین پر
ڈر تھا کہ آفتاب نہ اترے زمین پر

شبیرؑ کی پسر کے ارادوں پہ تھی نظر تنہا تھے امتحانِ وفا کے محاذ پر
ہموار کر رہے تھے شہادت کی رہ گزر کمسن پسر کا تول رہے تھے دل و جگر
دنیا کو رنگِ عدل میں حیران کر دیا
اصغرؑ کو اور دین کو میزان کر دیا

کچھ سوچ کر پسر کو اٹھایا حسینؑ نے منہ چوم کر گلے سے لگایا حسینؑ نے
بچے کو رازِ فتح بتایا حسینؑ نے اصغرؑ کو رشہ سوار بنایا حسینؑ نے
یہ فکر سب کہیں کہ قیامت کا ڈھنگ ہے
اصغرؑ کی یہ وغا نہیں اکبرؑ کی جنگ ہے

اصغرؑ پدر کی صدق بیانی سمجھ گئے الفاظِ بے صدا کے معانی سمجھ گئے
پیتے ہیں کیسے تیغ کا پانی سمجھ گئے لائے ہیں کیوں حسینؑ، کہانی سمجھ گئے
شیرِ خدا کے زور کا منظر دکھا دیا
خیبر رگِ گلو پہ اٹھا کر دکھا دیا

تیرِ اجل سے جذبۂ اصغرؑ نہ چھپ سکا　　رنگِ مزاجِ سورۂ کوثر نہ چھپ سکا
گردِ خزاں سے حسنِ گلِ تر نہ چھپ سکا　　ہارا یزید مقصدِ سرورؑ نہ چھپ سکا
ناوک چلا جو دشت میں کمسن شہید پر
جا کر لگا دمشق میں قلبِ یزید پر

معصوم کے گلے سے اٹھی وہ لہو کی دھار　　سہمی اجل الٹ گیا میدانِ کارزار
دستِ پدر پہ فاتح احساسِ شیر خوار　　پروردگارِ صبر کی قوت بروئے کار
خاموشیوں میں حاصلِ گفتار مل گیا
اصغرؑ ہنسے تو شام کا دربار ہل گیا

دستِ قضا نے کھول دیں بچے کی مٹھیاں　　گویا جہاں میں کھل گئے اسلام کے نشاں
ہر اہلِ دل سے کہہ گئیں معصوم ہچکیاں　　اب مقصدِ حیات ہے آوازِ بے زباں
رنگِ بہارِ خونِ گلِ تر کا نام ہے
دینِ خدا شہادتِ اصغرؑ کا نام ہے

زندہ ہے آسماں کی نظر میں یہ انقلاب　　زہرا کا آفتاب ہے اور سرخ ماہتاب
احساس اک سوال ہے، احساس اک جواب　　ننھی سی ایک لاش ہے یا درد کی کتاب
انسانیت کی فتح کا عنواں ہے سامنے
اصغرؑ نہیں ہیں صبر کا قرآں ہے سامنے

چہرے پہ اپنے لال کا خوں اور جگر میں درد　　شبیرؑ چپ کھڑے ہوئے بھرتے ہیں آہ سرد
زخموں کو پیار کرنے لگی کربلا کی گرد　　دیکھا جو اپنے چاند کے رُخسار زرد زرد
پیکِ خیالِ قافلہؑ دل میں آ گیا
صبرِ حسینؑ اشک کی منزل میں آ گیا

آنسو گرے تو ہل گئی بنیادِ کائنات　　گھبرا کے صبر دیکھ کے رونے لگی حیات
ساحل کے ساتھ سر کو پٹکنے لگی فرات　　دشتِ بلا نے خاک اڑا کر کہی یہ بات
سبطِ رسولؐ خیمے میں جائیں گے کس طرح
بچےّ کی لاش ماں کو دکھائیں گے کس طرح

شبیرؑ نے نگاہ جو کی کائنات پر　　دیکھا رُخِ رسولؐ ہے تازہ لہو میں تر
زہراؑ سنبھالتی ہیں کبھی دل، کبھی جگر　　لیکن ابھی ربابؑ کی جھولے پہ ہے نظر
واقف ذرا نہیں ہیں مقدّر کے پھیر سے
گھبرا رہی ہیں گود جو خالی ہے دیر سے

منصف مزاج ہے تو بتائے کوئی بشر　　اب کیا کہیں ربابؑ سے سلطانِ بحر و بر
بچےّ کے انتظار میں ماں ہے قریبِ در　　کس طرح لے کے جائیں وہاں میتِ پسر
کس دل سے اب یہ جا کے بتائیں ربابؑ کو
اک سنگدل نے توڑ لیا ہے گلاب کو

ٹوٹے ہوئے گلاب پہ قربان ہے نگاہ پلکوں پہ آنسوؤں کی جگہ خونِ بے گناہ
ماحول میں گھلا ہوا طوفانِ درد و آہ مظلومیٔ حسینؑ ہے اور آخری گواہ
اک مسئلہ ہے دشت میں لختِ جگر کی قبر
ماں سامنے ہے کیسے بنائیں پسر کی قبر

میت لئے ہوئے جو بڑھے جانبِ خیام دل نے بہ اقتضائے مشیت کیا کلام
مقتل میں اک نشیب ہے اس چاند کا مقام سوئے گا تھوڑی دیر وہیں اب یہ لالہ فام
مسکن دہکتی ریت ہے اس ماہتاب کا
دفنائیے زمیں میں کلیجہ ربابؑ کا!

مظلوم نے لحد جو بنائی تو ایک بار کہنے لگے زمین سے اشکِ رواں کے تار
اے کربلا غریب کی دولت سے ہوشیار جھولے سے تیری گود میں آیا ہے شیر خوار
ابنِ علیؑ کو پیار ہے اس نورِ عین سے
رکھنا ابوترابؑ کے پوتے کو چین سے

رکھا لحد کی چھاؤں میں جب اپنا نورِ عین صحرا کی نذر ہو گیا اک ماں کے دل کا چین
اس واقعے پہ کانپ گئی روحِ مشرقین ہموار کرکے قبر کو کہنے لگے حسینؑ
بے چین کیوں ہو نیزے پہ معراج پاؤ گے
اصغرؑ تم اپنے باپ کے ہمراہ جاؤ گے

تلوار نے کہا مری آنکھوں میں ہے لہو
آلِ رسولؐ قتل ہو زندہ رہیں عدو
حیدرؑ کا لال خونِ پسر سے کرے وضو
یہ گرم ریت اور یہ اصغرؑ سا ماہ رُو
یا بوترابؑ دیر ہے کیوں انتقام میں
ماں گھر میں بے قرار، میں بے کل نیام میں

خالی ہوئے جو ہاتھ، اُٹھے سیدؑ الانام
کچھ سوچ کر اٹھائے قدم جانبِ خیام
آئے قریبِ در تو کیا اس طرح کلام
سیراب ہو گیا مرا معصوم تشنہ کام
چین آیا اے ربابؑ مرے نصف سال کو
جھولا جھلا رہی ہے زمیں تیرے لال کو

اب درد و غم کی آخری منزل ہے اے ربابؑ
اصغرؑ کا خون صبر کا حاصل ہے اے ربابؑ
مقتل میں اب حیات کا ساحل ہے اے ربابؑ
اب خنجروں میں فاطمہؑ کا دل ہے اے ربابؑ
کچھ دیر بعد خاک میں تیرا سہاگ ہے!
شبیرؑ کی نگاہ میں خیموں کی آگ ہے!

سلام

غمِ حسینؑ کا مقصد بدل نہیں سکتا
خیام جل گئے پیغام جل نہیں سکتا

نہ شہؑ کو صبحِ الم سے ڈرا شبِ عاشور
حسینؑ کہہ دیں تو سورج نکل نہیں سکتا

یہ بات بھول گئے دشمنِ ابو طالبؑ
رسولؐ کفر کے دامن میں پل نہیں سکتا

بنا ہے اَب دلِ مومن حسینؑ کا مسکن
یہ گھر کسی کے جلانے سے جل نہیں سکتا

طلب کریں نہ کسی بد نہاد سے الفت
زمیں ہو شور تو پودا نکل نہیں سکتا

اسی کا دعویٰ عشقِ حسینؑ ہے محکم
جو مر تو سکتا ہے لیکن بدل نہیں سکتا

یہ کمسنی، یہ سکینہؑ کا جذبۂ تنظیم
جگر میں دَرد ہے آنسو نکل نہیں سکتا

نکل تو آئے گا ناوک گلوئے اصغرؑ سے
مگر ربابؑ کے دل سے نکل نہیں سکتا

زندگی

(در حالِ حضرت علی اکبرؑ)

(۵۶)

سنہ ۱۹۷۸ء

زِندگی

یوں تو مرثیہ نگاری کی تاریخ بے حد قدیم ہے، لیکن برِّصغیر پاک وہند میں اس صنف کو ایرانی وضع کی "نظم" رثا کی ہئیت سے نکال کر مسدّس (اور وہ بھی ایسی مسدّس، جو تاریخی واقعات، منظر نگاری، رزم و بزم، شخصی کردار و عظمت سے معمور ہو) تخلیق کرنا اُردو کے جیّد شعراء ہی کا کام تھا، لیکن دبستانِ انیسؔ و دبیرؔ اور ان کے مقلّدین نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، انہیں بار بار دہرایا تو جا سکتا ہے، اس کا تخلیقی اعادہ نہیں کیا جا سکتا....!

وحید الحسن ہاشمی صاحب کا مرثیہ اس اعتبار سے واقعتاً لائقِ مطالعہ ہے کہ اس میں روایت کے ساتھ جذب و وجدان کو دخل ہے۔ زبان کی سلاست اور روانی، قافیوں کی برجستگی اور واقعۂ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ جیسے عظیم جواں مرد کی کردار نگاری میں موصوف نے فکری اور لسانی خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس مرثیے کی خصوصیّت یہ ہے کہ اس میں نیا پن پایا جاتا ہے۔ قدیم فارسی دار دو قوافی کو موقع محل اور واقعات کے تناظر میں بھرپور لسانی دروبست سے استعمال کیا ہے، جو وحید الحسن ہاشمی کی قادر الکلامی کی دلیل ہے۔ اس لحاظ سے وحید صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ موصوف نے آج کے ابہام پسند عہد میں فصاحت و بلاغت، لطافت و طلاقت کے عظیم جوہر دکھانے میں نہ صرف اپنا ثقافتی اور مذہبی فریضہ پورا کیا ہے، بلکہ صنفِ مرثیہ کو نیا لب و لہجہ عطا کیا ہے۔

ڈاکٹر خیالؔ امروہوی

شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کالج — لیہ (پنجاب)

زِندگی

وحدت جمالِ کُل ہے تو مظہر ہے زندگی   حسنِ ازل ہے رُوح تو پیکر ہے زندگی
قدرت ہے جس کا رنگ وہ منظر ہے زندگی   عہدِ اَلست نُور ہے محور ہے زندگی
خالق سے اختیارِ دو عالم لئے ہوئے
اتری زمیں پہ صورتِ آدمؑ لئے ہوئے

آدمؑ کے ساتھ کُھل گیا ایوانِ زندگی   جاری ہوا زمیں پہ دبستانِ زندگی
پھیلا ہوا کی طرح سے دامانِ زندگی   بولی زبان ہو گیا اعلانِ زندگی
لفظ و بیاں عدم سے جو آئے وجود میں
شاہد خدا کے نام سے اُبھرا شہود میں

ذوقِ مشاہدہ جو بڑھا زندگی بڑھی   تصدیقِ آفتاب ہوئی روشنی بڑھی
دن کی طرح نگاہ بڑھی آگہی بڑھی   سینے میں دل جوان ہوا دلکشی بڑھی
آنکھوں کو انقلاب ملا نُور کی طرح
اب زندگی عروس بنی حُور کی طرح

اٹھلا کے حورِ فکر نے اوڑھی ردائے حُسن جاری لبِ خرد پہ ہوا ماجرائے حُسن
تصویرِ کائنات جو مچلی برائے حُسن پھولوں کو آفتاب نے بخشی قبائے حُسن
بکھری بساطِ ارض پہ گرمی نمود کی
انسان کو عطا ہوئی جنّت وجود کی

اس جنّتِ وجود میں لہرائی زندگی ہر سمت شاخ شاخ نظر آئی زندگی
خالق نے یوں شعاعوں سے پھیلائی زندگی صحرا نے مسکرا کے کہا پائی زندگی
جان آ گئی جو سعیِ عمل کے شباب سے
ذرّے کلام کرنے لگے آفتاب سے

ذرّوں کی گفتگو نے دیا زندگی کو رنگ حیراں ہوتے پہاڑ تراشے گئے وہ سنگ
مخلوق کے مزاج میں تخلیق کی اُمنگ تحصیلِ امن کے لئے لازم ہو جیسے جنگ
جدّت کی سمت مرکبِ تہذیب موڑ کے
انساں نے عطر لے لیا پتھر نچوڑ کے

پتھر نچوڑنے کا یہ انداز دیکھ کر جھپٹے سپاہِ خیر کی جانب جنودِ شر
ابلیس شعلہ بار ہوا فکرِ نوح پر سارے جہاں میں پھیل گیا آتشیں اثر
کشتی بنی نجات کا سامان ہو گیا
پانی کو غیظ آ گیا طوفان ہو گیا

طوفاں کی موج موج پہ کشتی رواں ہوئی
چکرا گئے بھنور وہ روانی عیاں ہوئی
چادر کی طرح وادیٔ کوہِ گراں ہوئی
آئی صدائے زندگی میں آسماں ہوئی
انساں سمندروں کے مدینے میں آ گیا
باقی وہی رہا جو سفینے میں آ گیا

دیکھا جو زندگی کے سفینے کا انقلاب
بولا اُبھر کے قلزم گردوں سے ماہتاب
ظلمت کہاں سے لائے گی اس نور کا جواب
یہ زندگی ہے چشمِ حقیقت کا انتخاب
اسمائے پنج تنؑ کا اگر بادبان ہے
اس کشتیٔ عمل کی زمیں آسمان ہے

مانندِ وقت بڑھتی رہی کشتیٔ عمل
سورج کی طرح جلتی رہی شمعِ لم یزل
پھر شاخِ زندگی کو میسّر ہوا وہ پھل
جس کو شکست دے نہ سکی تلخیٔ اجل
انوارِ فکر چادرِ ظلمت میں چھن گئے
شعلے مہکتے پھولوں کا قالین بن گئے

انساں نے سجا دیا قالینِ زندگی
تحریر آگ پر ہوا آئینِ زندگی
حسنِ خلیلؑ سے ہوئی تزئینِ زندگی
نمرودیت کی موت بنا دینِ زندگی
اتنی بلند ہو گئی منزل شعور کی
خواہش ہوئی نبیؑ کو امامت کے نور کی

اب زندگی تھی نورِ امامت سے ضو فشاں — اس نور نے بڑھایا مشیت کا کارواں
اُبھرا برنگِ خواب نبوت کا امتحاں — خنجر پدر کا حلقِ پسر پہ ہوا رواں
لیکن یہ مصلحت ہوئی ربِ کریم کی
خنجر پہ مہر لگ گئی ذبحِ عظیم کی

یہ رنگِ مصلحت جو بڑھا زندگی کے ساتھ — بڑھنے لگا غبارِ حسد آدمی کے ساتھ
غارت گری جوان ہوئی سرکشی کے ساتھ — تاریکیاں اُلجھنے لگیں روشنی کے ساتھ
انسانیت کو چاہ میں دنیا گرا گئی
یعقوبِؑ زندگی کی نظر کام آ گئی

یعقوبِؑ زندگی کی نظر حاصلِ نظر — اشکوں کے آئینے میں تماشائے خیر و شر
دل دے رہا تھا مصر کے بازار کی خبر — تسکین پر محیط رہی فرقتِ پسر
سچ ہے بشر بغیر محبت ہلاک ہے
یوسفؑ جدا رہے تو زمانے پہ خاک ہے

یوسفؑ کے حسنِ رُخ سے ہوئی زندگی حسیں — زندہ رہے گا عشقِ زلیخا ہُوا یقیں
چمکے خدا کے نور سے جب وقت کی جبیں — کٹ جائیں انگلیوں کی جگہ سر عجب نہیں
بزمِ وفا میں آئینہ سامانیاں بہت
یوسفؑ کا حُسن چاہیے قربانیاں بہت

قربان گہِ حیات میں انسان کا قدم تازہ ہو جس طرح جسدِ زندگی میں دم
کھلنے لگا جو شدّتِ احساس کا علم پانی پہ بہتی قبر ہوئی زیست کا بھرم
آثارِ حق طبیعتِ ماہی پہ چھا گئے
یونسؑ اجل کے ساتھ سفر کر کے آ گئے

پہنچا اس انقلاب پہ آئینۂ سفر لوہے کو چٹکیوں سے مسلنے لگا بشر
جھومی فضا ترنم وحدت پسند پر پیمانۂ زبور سے چھلکی نئی سحر
تحریر میں حیات کا نظم و نسق مِلا
داؤدؑ کو زمیں پہ حکومت کا حق مِلا

اُٹھا جہاں میں حقِّ وراثت کا اب سوال مستقبلِ حیات پہ چھائی بساطِ حال
اہلِ نظر سمجھ گئے زخموں کا اندمال گویا ہوئی زمانے سے تاریخِ ماہ و سال
میراثِ انبیاء کا یہ اعلان ہو گیا
داؤدؑ کا چراغ سلیمانؑ ہو گیا

عالم پہ اس چراغ کی لَو نے کیا حصار جلوے بڑھے سمٹ گئی ظلمات کی دستار
دیکھا جو زندگی کے اُجالوں کا اقتدار سائے کی طرح چھپ گئے ذرّوں میں کوہسار
گھبرائے جس سے رعد وہ آواز مِل گئی
انساں کو جبرئیلؑ کی پرواز مِل گئی

پرواز کے شعور نے دیکھا چراغِ طور   ظاہر ہوئی جبینِ شجر سے شعاعِ نور
موسیٰؑ کے شوقِ دید پہ گویا ہوا شعور   آ طالبِ جمالِ خدا، کس لیے ہے دُور
خواہش ہے حسنِ غیب کے اظہار کے لئے
تابِ نظر بھی چاہیئے دیدار کے لئے

اے چشمِ شوق کھیل نہیں ہے مذاقِ دید   ہے سجدۂ خیال میں اہلِ وفا کی عید
دستورِ عشق چاہیئے توریت کی نوید   مر جائے نامِ حق پہ تو انسان ہے شہید
جذبِ کلیم پر یہ شہادت کی آب ہے
بجلی نہیں گری، اَرنی کا جواب ہے

دنیا نتیجۂ اَرنی پر ہوئی جو دنگ   بدلا نظامِ فکر سے پھر زندگی کا رنگ
ایسا مریض ہو گیا ہستی کا انگ انگ   ہر زندگی ہوئی خلشِ زندگی سے تنگ
ایسے میں روشنی کا چمن لے کے آ گئے
عیسیٰؑ علاجِ رُوح و بدن لے کے آ گئے

کتنا عظیم روح و بدن کا علاج تھا   لٹتی رہی صداقتِ انجیل کی دَوا
لیکن صلیبِ وقت کے اشکوں نے کہہ دیا   اے زندگی سنبھل یہ زمانہ ہے بے وفا
جن کا کرم محیط تھا سارے جہان پر
وہ لوگ اشکبار گئے آسمان پر

چشمِ کرم جو روٹھے تو آتا ہے انقلاب
کرتا ہے وقت ظلمِ زمانہ کا احتساب
اک ذہن میں سمٹتی ہے کونین کی کتاب
ملتا ہے پھر تمام سوالوں کا اک جواب
پا کر سکون خلقِ خدا کے نظام سے
قرآن بولتا ہے محمدؐ کے نام سے

قرآن ہی سے پوچھئے قرآن کا سفر
وہ منزلِ حرا، وہ تجلی کا مستقر
وہ سینۂ نبیؐ جسے کہیئے خدا کا گھر
وہ آمنہؑ کا چاند وہ آیات کی نظر
لائے امین وحی مشیت کی راہ سے
خوش ہو گیا لپٹ کے رسالتؐ پناہ سے

اب زندگی تجلیٔ اصلِ اُصول تھی
اب زندگی متاعِ کمالِ عقول تھی
گلزارِ کائنات میں بے مثل پھول تھی
اب زندگی لباسِ بشر میں رسولؐ تھی
جلوہ کیا زمانے پہ وحدت کے نُور نے
فاران کو سلام کیا کوہِ طُور نے

اُٹھے حضورؐ شیوۂ آذر اُلٹ گیا
رحمت بڑھی تو ظلم اجل سے لپٹ گیا
مٹھی میں شامیانۂ عالم سمٹ گیا
ہر انتشار ضربتِ قرآں سے کٹ گیا
کفر آشنا نظر کے مشاغل بدل گئے
ذہنوں سے بُت فرار ہوئے دل بدل گئے

مردہ دلوں کو جوہرِ قابل بنا دیا — گردابِ اشتباہ کو ساحل بنا دیا
بے دین کو نجات کا حامل بنا دیا — زاغ و زغن کو مثلِ عنادل بنا دیا
طائر اُڑے ہوا میں سلیمانؑ کی طرح
تصویر بولنے لگی انسان کی طرح

انسانیت کو پھولنے پھلنے کا حق ملا — چمکی کتابِ خُلق سنہرا ورق ملا
دلکش ہوئے خیال و معانی سبق ملا — ذہنوں کو انقلاب کا نظم و نسق ملا
دوڑی نگاہ نشو و نما کے سُراغ میں
مہکے عمل کے پھول تمدّن کے باغ میں

آدم کا لال کاشفِ رازِ بقا بنا — سب سے حسیں جوان ہوا لافتا بنا
تاریخ کے سفر کی قسم کیا سے کیا بنا — اسلام کی زبان سے مشکل کُشا بنا
فیضِ نظر سے زنگِ اثر کاٹنے لگا
انسان جبرئیلؑ کے پَر کاٹنے لگا

یوں بال و پَر پہ حوصلۂ بال و پَر کھُلا — قلب و نظر پہ مقصدِ قلب و نظر کھُلا
چولیں ہلیں تو خیبرِ ہستی کا دَر کھُلا — نادِ علیؑ سے وقت کے مرحب کا سر کھُلا
تلخئ زیست بادۂ پُرکیف بن گئی
باطل کی تیغ لقمۂ لاسیف بن گئی

انسان کے عروج پہ حیراں تھے خشک و تر
تھی زندگی شعاع تو سورج دلِ بشر
خود کہہ رہی تھی قافلۂ وقت کی نظر
مرجائیں کیوں نہ اہلِ جہاں ان اداؤں پر
آنکھوں میں حد لئے ہوئے دونوں جہان کی
نظریں زمیں کی سمت خبر آسمان کی

شیطاں کو یہ حیات کا عنواں نہ تھا پسند
ملعوںؑ کو نجات کا ساماں نہ تھا پسند
کافر نظر کو چہرۂ قرآں نہ تھا پسند
بدبخت کو نصیبِ سلیمانؑ نہ تھا پسند
خارِ حسد سے دستِ خلش مل کے رہ گیا
خلقت میں آتشیں تھا مگر جل کے رہ گیا

آبِ حیات دیکھ کے بھڑکی حسد کی آگ
گونجے منافقت کی دھنوں میں ستم کے راگ
ڈسنے چلے سکون کو غارت گری کے ناگ
سفیانیت نے تھام لی اسپِ جنوں کی باگ
لیکن سوادِ ظلم کا نقشہ بدل گیا
صلحِ حسنؑ کی ضرب پڑی دم نکل گیا

اب پیکرِ یزید میں اُبھرا غرورِ شام
اب ظلمتوں کے سنگ تھے اور زندگی کا جام
بولا غبار چاہیئے سورج سے انتقام
اب کربلا کا دشت تھا اور وقت کا امام
مغلوب پا کے حوصلۂ مشرقین کو
اب زندگی پکار رہی تھی حسینؑ کو

اب دامنِ حسینؑ تھا اور ساری کائنات   صدیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی بس ایک ذات
محدود ایک دل میں ہوا مرکزِ حیات   اب دیکھنا تھا کون رکھے گا خدا کی بات
محنت مچل رہی تھی رسالت مآبؐ کی
اسلام بھیک مانگ رہا تھا شباب کی

اکبرؑ کی سمت دیکھ کے کہنے لگے حسینؑ   اسلام کا سوال سُنا، میرے نورِ عین
اے لال تم ہو باغِ رسالتؐ کی زیب و زین   تم ہی اسے جواب دو زینبؑ کے دل کے چین
قرآں جسے پڑھے وہ کہانی عطا کرو
سائل کو آج اپنی جوانی عطا کرو

اکبرؑ اُٹھے تو جھوم گیا باغِ زندگی   اسلام نے رسولؐ کی تصویر چوم لی
یٰسین کے خطاب نے یہ داستاں کہی   اس چاند پر فدا مہِ کنعاں کی روشنی
یوسفؑ رہے عزیزِ دلِ پاک باز میں
اکبرؑ کا نام ہو گیا شاملِ نماز میں

ماتھے کا نور سیدِ ابرار کی طرح   آنکھیں نبیؐ کے دیدۂ انوار کی طرح
رفتار بھی رسولؐ کی رفتار کی طرح   پیکر تمام احمدِ مختار کی طرح
حمدِ خدا کا سروِ سہی قد ہے دوسرا
صورت بتا رہی تھی محمدؐ ہے دوسرا

وہ دلکشی، وہ حسن، وہ تنویر، وہ ضیا
جیسے دعائے نور میں چہرہ دھلا ہوا
زلفوں کو پیار کر کے گزرتی تھی جب صبا
اصحاب مسکرا کے یہ کہتے تھے برملا
بھیگی ہوئی مسیں تھیں رُخ لاجواب تھا
بالکل یہی رسولِؐ خدا کا شباب تھا

وہ لازوال عہدِ جوانی کے خد و خال
ہر سمت سے رسولؐ کا آئینۂ جمال
پیغمبری مزاج میں وہ حیدریؑ جلال
معصوم تربیت کا وہ نکھرا ہوا کمال
شرحِ منِ الحسین کا پورا بیان تھے
اسلام مطمئن تھا کہ اکبرؑ جوان تھے

اکبرؑ تھے آگہی کے لئے آگہی کے چاند
لیلیٰ کے دل کی روشنی سبطِ نبیؐ کے چاند
دنیائے اہلِ بیتؑ میں سب کی خوشی کے چاند
اٹھارہویں برس کی قسم زندگی کے چاند
گلزارِ مصطفےٰؐ میں مشیت کا پھول تھے
آتی جو اِن پہ وحی تو یہ بھی رسولؐ تھے

بچے اس آن بان کے پیدا کہاں ہوئے
آئے زمیں کی رحل پہ اور آسماں ہوئے
قد قامت الصلوٰۃ کی صورت عیاں ہوئے
عباسؑ کے مزاج میں ڈھل کر جواں ہوئے
اسلام کی بقا کا سبق تھا زبان پر
اک ہاتھ ذوالفقار پہ تھا اک نشان پر

بہنوں نے حوصلہ دیا ماں سے ملی امنگ — سجادؑ سے ملا صفتِ رہبری کا رنگ
عباسؑ نے سکھا دیئے سارے فنونِ جنگ — شبیرؑ نے بتا دیئے سب زندگی کے ڈھنگ
شیرِ خدا کے شیر کا مظہر بنا دیا
زینبؑ کی لوریوں نے تو اکبرؑ بنا دیا

عاشور کی زبان سے سنیئے، یہ ماجرا — کس طرح اس جوان کو روتی ہے کربلا
وہ خنجروں کی زد پہ سراپا رسولؐ کا — شبیرؑ ڈھونڈتے رہے اور چاند چھپ گیا
انسانیت یہ خون رکھے گی نگاہ میں
نوکِ سناں سے پھول کھلا رزمگاہ میں

نوکِ سناں جو سینے میں پیوست ہو گئی — یعنی جوان شاخ سے ٹوٹا گلِ نبیؐ
پشتِ فرس چھٹی تو صدا شاہِ دیں کو دی — بابا قریب ہے کہ بجھے شمعِ زندگی
قربان کر رہا ہوں جوانی کے باغ کو
طوفاں میں دیکھ لیجیئے اپنے چراغ کو

شبیرؑ نے سنی جو پسر کی صدائے غم — رفتارِ نبض رک گئی آیا لبوں پہ دم
رن کی طرف چلے مگر اٹھتے نہ تھے قدم — تڑپے تو اور ہو گیا آنکھوں کا نور کم
رستہ کٹھن تھا نورِ نظر کی تلاش میں
یعقوبؑ جا رہے تھے پسر کی تلاش میں

آواز دے رہے تھے شہِ دیں یہ بار بار — بیٹا ضعیف باپ کا لازم ہے انتظار
آنکھیں جواب دیتی ہیں اور دل ہے بیقرار — اے میرے شیر بیچ میں ہے فوجِ نابکار
کس طرح زندگی کا مداوا کرے حسینؑ
کیسے گلے لگائے تجھے کیا کرے حسینؑ

لیکن ضعیف باپ کی ہمت جواں تھی — مظلومیت جوانئ اکبرؑ میں ڈھل گئی
سوکھے ہوئے لبوں سے پکارا جو یا علیؑ — قبضے سے ذوالفقار تڑپ کر نکل پڑی
شیرِ خدا کی طرح تھے لشکر کے سامنے
مثلِ دعا پہنچ گئے اکبرؑ کے سامنے

اکبرؑ کا حال دیکھ کے مقتل نے دی صدا — اے فاطمہؑ کے لال گلِ تر بکھر گیا
گھوڑوں سے پاش پاش ہے تصویرِ مصطفیٰؐ — برچھی کے ساتھ سینے میں دم ہے رکا ہوا
کیا ہے شبابِ صبر دکھا دیجیے حسینؑ
کڑیل جواں کی لاش اٹھا لیجیے حسینؑ

بجھتے ہوئے چراغ پہ جھکنے لگے جو شاہؑ — خود اپنی بیکسی کے لبوں سے سنی کراہ
معراجِ زندگی پہ یہ صورت ہوئی گواہ — نوکِ سناں پہ ہاتھ نجف کیطرف نگاہ
پھیلا وہ ابرِ درد زمانہ بدل گیا
نوکِ سناں نکل تو گئی چاند ڈھل گیا

ہاتھوں پہ لے کے چاند کی میّت اٹھے امامؑ　　لے کر خدا کا نام چلے جانبِ خیام
سورج کا رنگ دیکھ رہی تھی سپاہِ شام　　خط کھینچتا تھا فرشِ زمیں پہ مہِ تمام
دریائے زندگی تھا روانی لئے ہوئے
اسلام جا رہا تھا جوانی لئے ہوئے

خیمے کے در پہ ثانیٔ زہراؑ کا انتظار　　سوچے بشر تو ذہن کی دنیا ہو تار تار
تھرّا رہا تھا خیمے کا پردہ جو بار بار　　آواز دے رہا تھا فضاؤں کا اضطرار
اس مرحلے پہ درد بھرے دل کو تھامنے
شبیرؑ کیسے جائیں گے زینبؑ کے سامنے

آخر بہن کے سامنے آئے شہِ امامؑ　　رکھی زمیں پہ لاش بہن سے کیا کلام
زینبؑ تمہارے باغ میں آئی ہوائے شام　　لیلیٰ سے کہدو دیکھ لے اپنا مہِ تمام
خیمے میں پھر شبیہِ پیمبرؐ نہ آئے گا
جی بھر کے دیکھ لو علی اکبرؑ نہ آئے گا

لیلیٰ کی سمت ثانیٔ زہراؑ نے کی نظر　　اب مامتا کا جوش تھا اور لاشۂ پسر
ہالہ شفق نما جو بنا اپنے چاند پر　　سہرے کی حسرتوں سے لہو ہو گیا جگر
صغراؑ کا انتظار تصور پہ چھا گیا
زخمِ سناں پہ اشک گرے اور غش آ گیا

بس اے وحیدؔ روتی ہے مجلس میں زندگی اشکوں نے بخش دی ہے مودت کی روشنی
اس روشنی سے فکر کو یہ آگہی مِلی سینے میں کربلا ہے تو زندہ ہے آدمی

یہ فیصلہ مقدرِ اہلِ شعور ہے
دینِ خدا جوانئِ اکبرؑ کا نوُر ہے

سلام

باطل کی سمت آنکھ اٹھائی نہ بھول کے
شبیرؑ آدمی تھے بڑے ہی اصول کے

کرتے تھے ہم علیؑ کی فضیلت کا تذکرہ
کیوں نقش بولنے لگے دوشِ رسولؐ کے

آلِ رسولؐ ختم نہ ہو گی جہان سے
کوئی مٹا سکا ہے کہیں رنگ پھول کے

جوشِ عمل بہ صورتِ زینبؑ عیاں ہوا
جوہر کھلے ہیں شام میں ذہنِ بتولؑ کے

سیدانیوں کے رُخ کے لئے بن گئی نقاب
قربان اہلبیتؑ کے رستوں کی دھول کے

انسانیت کو اپنا لہو دیں نہ کیوں حسینؑ
پالے ہوئے ہیں یہ بھی نگاہِ رسولؐ کے

ظالم سے کیجیے نہ وفا کی کوئی امید
نکلا ہے کب گلاب شجر سے ببول کے

ممکن ہے روزِ حشر خدا خود کرے سوال
آنسو کہاں کہاں پہ گرے ہیں بتولؑ کے

◎

صبر

(در حالِ امام زین العابدینؑ)

۶۹

۱۹۷۹ء

صبر

مرثیہ ایک مقصدی صنف ہے، اَدب برائے اَدب کی طرح مقصود بالذات نہیں۔ یہاں میں مرثیے کے مقصدی صنف ہونے سے اس روایتی فقرے کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں کہ مرثیہ گو اہلِ مجلس کو رُلا کر ان کی اور اپنی آخرت سنوارتا ہے۔ میرے پیشِ نظر مرثیے کا مقصد فقر و صبر کا ایک ایسا معاشرہ پیدا کرنا ہے، جس میں مقاومت کا جذبہ اور جہد للبقا کی امنگ، تلوار کی دھار پر بھی چلنے میں ماند نہیں پڑتی۔ جدید دَور میں مرثیہ نگاری کا مقصد یہی کچھ ہے، جس کی طرف اُوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ ہمارے عہد میں جوشؔ ملیح آبادی، جمیلؔ مظہری، سیّد آلِ رضاؔ، نسیمؔ امروہوی اور صباؔ اکبر آبادی اسی حوالے سے مشہور ہیں۔

جناب وحید الحسن ہاشمی بھی اسی صف کے مرثیہ گو ہیں اور ان کی مرثیہ گوئی کا وصف بھاری بھرکم اور گونج دار الفاظ سے کڑک پیدا کرنے میں نہیں، بلکہ سہل اور روزمرّہ کی لکھت پڑھت کے الفاظ ہی کو برتنا ہے۔ یہ ذرا مشکل فن ہے۔ اس لئے جب الفاظ نہ گونج رہے ہوں تو جذبے کی گونج قاری کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔ .... ہاشمی صاحب کے یہاں فن کا کمال یہی ہے کہ وہ کاغذ پر اپنے اسی سچّے جذبے کی تپش میں اپنے قاری کے دل و دماغ کو گرماتے چلے جاتے ہیں۔

پروفیسر عتیق احمد

۱۹۵-آر، بلاک ۱۵
دستگیر سوسائٹی — کراچی

صبر

صبر کو لوگ مسیحائے جہاں کہتے ہیں　　اہلِ غم چارہ گرِ وہم و گماں کہتے ہیں
دل کے مارے اسے جینے کا نشاں کہتے ہیں　　دردمندانِ محبت رگِ جاں کہتے ہیں
صبر رگ رگ میں مچلتا ہے جوانی کی طرح
یہ ہے احساس کی تلوار پہ پانی کی طرح

صبر کو گردشِ دوراں کا کوئی خوف نہ ڈر　　اسکی آنکھوں سے بہت دور ہے آشوبِ نظر
اس کے آئینۂ حق پر نہیں باطل کا اثر　　صبر اک آن میں کر جاتا ہے صدیوں کا سفر
اس مسافر کے لئے زحمتِ انجام نہیں
صبر کی منزلِ آخر کا کوئی نام نہیں

دل کی بستی میں جو تنہائی کا اٹھتا ہے دھواں　　وہم ہو جاتا ہے جب بزمِ خیالات کی جاں
اشک جب ٹوٹ کے بن جاتے ہیں نظروں کی زباں　　آدمی درد سے ہوتا ہے جو مجبورِ فغاں
یوں سنبھل جاتا ہے وہ صبر کی دولت پا کر
جیسے مزدور کو تسکین ہو اجرت پا کر

صبر وابستۂ اوصافِ کمالِ آدمؑ — اس کے اجلال سے قائم ہے جلالِ آدمؑ
اس کے جلووں سے منوّر ہے جمالِ آدمؑ — سرخرو اس کے تمسک سے ہے آلِ آدمؑ
تیشۂ صبر سے دل کوہ کا کٹ سکتا ہے
آدمی ڈوبتے سورج کو پلٹ سکتا ہے

اپنی تخلیق کے انداز میں ممتاز ہے صبر — صنعتِ خالقِ کونین کا اعجاز ہے صبر
قلبِ فطرت میں مچلتا ہوا اک راز ہے صبر — عظمتِ حق کی قسم، وحی کی آواز ہے صبر
یہ طبیعت میں ہے کوثر کی روانی کی طرح
صبر بے داغ ہے یوسفؑ کی جوانی کی طرح

صبر معصوم ہے عصمت نگہی اسکا شرف — صبر ایمان ہے مومن کی نظر اس کی طرف
اس سمندر میں ہیں تہذیب و شرافت کے صدف — کربلا اسکی زمیں، اس کا فلک ارضِ نجف
چاکِ دل سوزنِ طاعت سے رفو کرتا ہے
صبر آیات کی موجوں سے وضو کرتا ہے

جاگزیں صبر ہو دل میں تو اسے دل کہیئے — دل میں طوفاں ہو تو پھر صبر کو ساحل کہیئے
صبر کی چھاؤں کو تسلیم کی منزل کہیئے — ذہنِ انساں کی توانائی کا حاصل کہیئے
قابَ قوسین کے جلوے اسی انداز میں ہیں
لاکھ جبریلِ امیںؑ صبر کی پرواز میں ہیں

صبر اخلاص کا دل، صبر شرافت کی نظر | صبر انعامِ خدا، صبر اطاعت کا ثمر
صبر منشائے خدا، خُلقِ نبیؐ، علم کا در | صبر کو کہیئے شبِ قدر کی معصوم سحر
یہ نہاں رہتا ہے مفہوم عبادت کی طرح
صبر ہے چادرِ تطہیر میں عصمت کی طرح

دلِ بے صبر میں پیدا جو ہوئی بے اثری | پھر تو انسان کی تقدیر ہے اور در بدری
معنیٔ صبر بدل لیتی ہے دریوزہ گری | جہلِ مطلق کو کہا جاتا ہے بالغ نظری
آئینہ آب نہ رکھتا ہو تو بے جوہر ہے
صبر کا نور نہیں جس میں وہ دل پتھر ہے

کون کہتا ہے حدِ صبر میں گریہ ہے فرار | زندہ آنکھوں میں ہے احساس کے پانی سے نکھار
سرد آہیں تو ہیں مظلوم کی خاموش پکار | جو عزادار نہیں، اس کی نظر ہے بیمار
حق تو یہ ہے کہ جسے ظلم نہاں کرتا ہے
صبر اشکوں سے وہ روداد بیاں کرتا ہے

جوششِ گریہ نہیں صبر کی فطرت کے خلاف | دل بھر آئے تو نہ رونا ہے طبیعت کے خلاف
بندشِ اشک ہے انسان کی عادت کے خلاف | ایسی حجّت تو سراسر ہے نبوّت کے خلاف
غم نے فطرت کو رُلایا ہے سبھی روئے ہیں
صبر کی حد میں اولوالعزم نبیؐ روئے ہیں

لذّتیں صبر کی کم ظرف بھلا کیا جانے　　کم نظر حُسنِ حقیقت کو کہاں پہچانے
ہوش کی بات بھی کرتے ہیں کبھی دیوانے　　عظمتیں کعبے کی پا سکتے نہیں بُت خانے
کس طرح دل کی کسک خوش طبعی کہلائے
غیر ممکن ہے کہ بو جہل نبی کہلائے

دولتِ صبر سے ہو جائے جو ملّت محروم　　اس کی قسمت میں کہاں فکر کے تابندہ نجوم
اس کا احساس فنا، اسکی قیادت معدوم　　ایک معنی میں کہا جاتا ہے اس کو مرحوم
قوم بے صبر سہاروں پہ گزر کرتی ہے
غیر کے پاؤں سے خود اپنا سفر کرتی ہے

صبر سے دُور ہو ملّت تو وہ ملّت کیا ہے　　جوشِ بیہوش کی دنیا میں حقیقت کیا ہے
شب میں گہنائے ہوئے چاند کی وقعت کیا ہے　　خود جو محتاجِ نظر ہو وہ بصیرت کیا ہے
دن پہ بے صبری ہمّت کبھی دکھلاتی ہے
کوئی رستہ نہیں اور قوم چلی جاتی ہے

جلوۂ صبر سے پُر نور ہے ایوانِ حیات　　صبر کے پھول ہیں آرائشِ گلدانِ حیات
صبر آتے ہی نکلنے لگے ارمانِ حیات　　صبر قدرت کی غزل ہے سرِ دیوانِ حیات
موت کا زخم بجز صبر نہیں بھر سکتا
صبر زندہ ہے تو انسان نہیں مر سکتا

صبر آزادیٔ فطرت کا پرستار بھی ہے — یہ شجاعت کی اداؤں کا طلبگار بھی ہے
سرِ سرکش کے لئے عزم کی تلوار بھی ہے — کفر بیعت کا جو طالب ہو تو انکار بھی ہے
صبر میزان میں انساں کا عمل تولتا ہے
قتل ہو جائے جو صابر تو لہو بولتا ہے

صبر کے واسطے لازم ہے کہ ہو علم شناس — دولتِ علم ضروری ہے رہے صبر کے پاس
زیبِ تن کرتا نہیں صبر جہالت کا لباس — مذہبِ صبر ہے بیگانۂ تخمین و قیاس
منتظر حکمِ الٰہی کا سدا رہتا ہے
جو لبِ وحی کہے صبر وہی کہتا ہے

صاحبِ خلد سے جب چھٹ گیا محبوب چمن — چھن گیا گوہر نایاب سے اس کا معدن
راس آیا نہ اُسے فرشِ زمیں کا مسکن — فرقتِ حسنِ گلستاں میں سُلگتا تھا بدن
آخرش ٹوٹ گئیں بیڑیاں تنہائی کی
صبر نے حضرتِ آدم کی مسیحائی کی

سینۂ خاک سے جو غیظ میں نکلا پانی — دیکھتے دیکھتے سب ہو گئی دنیا پانی
فہم و ادراک کے سر سے ہوا اونچا پانی — نوحؑ کو فکر ہوئی بڑھ گیا اتنا پانی
دل جو امواجِ مصیبت میں پھنسا انساں کا
کشتیٔ صبر نے رُخ پھیر دیا انساں کا

ہو گیا دیدۂ یعقوبؑ سے اوجھل جو پسر چشم خوں بار ہوئی دُور ہوا نورِ نظر
چھُپ گیا شام کی تاریک فضاؤں میں قمر باپ کو دردِ جگر دے کے گیا لختِ جگر
لیکن اک صبر نے سب غم کے اثر کاٹ دیئے
طائرِ درد کے پھیلے ہوئے پر کاٹ دیئے

قید میں یوسفِؑ کنعاں کا بڑھا اور ملال اُف وہ تاریکیٔ زنداں کہ نہیں جس کی مثال
کبھی اپنا تو کبھی باپ کی غربت کا خیال ظلم اتنا کہ یہ کہتا تھا، رہائی ہے محال
کوئی ہمدم نہ مدد کا کوئی پیغام آیا
صبر دل میں تھا وہی صبر بڑا کام آیا

تھی بہت حضرتِ ایوبؑ پہ دنیا بھاری اجرِ خدمت تو کجا پھر گئی اُمت ساری
کر دیا تلب پہ افکار نے لرزہ طاری ہو گیا مسّنی الضرُّ زباں پر جاری
سر مہم ہو گئی اللہ کے محبوب ہوئے
صبر ایوبؑ کو آیا ہے تو ایوبؑ ہوئے

ضد یہ نمرود کو پیغامِ خدا مٹ جائے کفر پھیلے اثر صدق و صفا مٹ جائے
ظلم کی راہ کھُلے راہِ وفا مٹ جائے زورِ باطل کا بڑھے حق کی صدا مٹ جائے
آگ کیا کام کرے حق کے پرستاروں پر
صبر کے آتے ہی نیند آ گئی انگاروں پر

آتشِ جبر چلی سُوئے گُلستانِ خلیلؑ	شعلۂ کفر بڑھا جانبِ دامانِ خلیلؑ
جہل کی آنچ تھی اور سامنے قرآنِ خلیلؑ	بجلیاں موت کی لپکیں طرفِ جانِ خلیلؑ
شرک بیتاب تھا ایماں نہ کسی طور رہے
کفر و الحاد کا جو دَور تھا، وہ دَور رہے

یاد ہے یاد ہے وہ صبر کا غمگیں منظر	باپ نے رکھ دیا جب حلقِ پسر پہ خنجر
رخِ فرزند پہ طوفانِ مصائب کی نظر	صبر کہتا تھا کہ آئے نہ شکن ماتھے پر
پردۂ صبر جو منظر ہوا حیرانی کا
آئینہ مل گیا سب سے بڑی قربانی کا

چادرِ ارض ہوئی حضرتِ یونسؑ پہ جو تنگ	سینۂ نُور پہ چلنے لگے ظلمت کے خدنگ
بطنِ ماہی میں مقید ہوئی ایماں کی امنگ	ترکِ اولیٰ کا پھر اک بار نمایاں ہوا رنگ
جو گہر بحر میں ڈوبا تھا دوبارہ چمکا
مطلعِ صبر پہ پھر عفو کا تارا چمکا

منبرِ طور پہ وہ ایک پیمبر کا خطاب	عقل اور ہوش کے ماحول میں دیدار کا خواب
مطمئن قلب مگر چشمِ محبت بیتاب	لن ترانی نے دیا عرضِ تمنا کا جواب
یہ جو ماحول پہ اک طرح کی مدہوشی تھی
اثرِ برق نہ تھا، صبر کی خاموشی تھی

ابنِ مریمؑ کو ملا قوم سے نذرانۂ غم — اس طرف نسخۂ انجیل اُدھر تیرِ ستم
ہو گیا مصلحِ آفاق گرفتارِ الم — عرصۂ دہر سے رخصت ہوا بادیدۂ نم
صبر کے ساتھ اندھیرے سے چمک میں پہنچا
تختۂ دار سے آغوشِ فلک میں پہنچا

رفعتِ بامِ فلک قلبِ رسولِؐ عربی — صبر نے جھک کے یہاں سورۂ والعصر پڑھی
نیّرِ لطف و عنایات کی گرمی جو ملی — دامنِ ختمِ رسُلؐ صبر کی منزل ٹھہری
عہدِ رفتہ کی خلش مٹ گئی خورسند ہوا
صبر اسلام کی گردن کا گلوبند ہوا

دیکھ کر چہرۂ اسلام بڑھا جوشِ عمل — صفحۂ زیست پہ دھندلا گیا قانونِ اجل
دین کے نخل میں آنے لگے تقدیس کے پھل — چھیڑ دی اہلِ مناجات نے فطرت کی غزل
دل کی آواز چلی منزلِ عرفاں کی طرف
قاریٔ وقت کا رُخ پھر گیا قرآں کی طرف

پھر سے ایمان کی موجوں میں روانی آئی — صبر و اخلاص کے چہرے پہ جوانی آئی
رنگِ باطل کا مٹا حق کی نشانی آئی — حریت کی لبِ انساں پہ کہانی آئی
پڑھ لیا مصحفِ کونین کی تحریروں کو
آدمی آپ بدلنے لگے تقدیروں کو

وسعتِ قلبِ پیمبرؐ سے اُٹھی عفو کی لہر   بہرِ سیرابیِ اعمال چلی صبر کی نہر
ہوگیا ختم تعصّب کی رگوں کا سب زہر   مہر کو آئینہ دکھلانے لگا شیشۂ دہر
بہرِ تسکینِ نظر درد کے مارے آئے
چومنے خاک کی عظمت کو ستارے آئے

شر سے دیکھا نہ گیا خیر کا مربوط نظام   چاہتا تھا کہ زمانے سے مٹائے اسلام
دل میں یہ قصد کہ مٹ جائے خدا کا پیغام   بس وہی قوم کا دستور ہو کر دیں جو عوام
ہے عبث راہ نما عشق کے مستانوں کو
شرطِ عصمت کی ضرورت نہیں انسانوں کو

اس تصوّر پہ بڑھے احمدِؐ مرسل کے قدم   دے گئے دین کے زخموں کا جہاں کو مرہم
بخدا صفحۂ تاریخ پہ اب تک ہے رقم   کوئی منزل ہو مگر عترت و قرآں ہیں بہم
مسئلہ جبر کا اس میں ہے نہ اکراہ کا ہے
جو علیؑ کہہ دیں وہی فیصلہ اللہ کا ہے

اب ہیں جس سمت علیؑ حق کی رضا بھی ہے اُدھر   دین کا سوزِ پیمبرؐ کی دُعا بھی ہے اُدھر
منزلِ شوق، رہِ صدق و صفا بھی ہے اُدھر   پڑھ لو قرآن یہ کہتا ہے خدا بھی ہے اُدھر
لاکھ سر پر ہوں بلائیں یہی رد کرتے ہیں
یا علیؑ کہہ کے تو دیکھو یہ مدد کرتے ہیں

پوچھ کر ان سے شریعت کی ہر اک بات چلی ان کے اعمال میں قرآن کی تفسیر ڈھلی
ان کی آغوشِ ہدایت میں مساوات پلی ان کے انوار سے قندیل اخوّت کی جلی
شکر یہ ان کی سخاوت کا ادا کرتا ہے
یہ عمل کرتے ہیں اور ناز خدا کرتا ہے

یہ اگر حکم نہ دیں کھل نہ سکیں دہر میں پھول یہ نہ ہوں ساتھ تو رستے سے بھٹک جائیں اصول
خوشہ چیں ان کے درِ علم کے تھے اہلِ عقول ان کو معیار سمجھتا تھا زمانے کا رسولؐ
ان کا ایک ایک عمل دین کا عنوان ہوا
جو کہا ان کی زباں نے وہی قرآن ہوا

جن کی دہلیز سے بٹتی رہی خیراتِ حیات جن کی چوکھٹ سے ملی سارے زمانے کو نجات
مرضیٔ حق کے اشاروں سے جو کرتے رہے بات دے گئی ان کو نیا عزم پیمبرؐ کی وفات
دین بچ جائے تہیّہ یہ کئے بیٹھے تھے
ہاتھ میں صبر کی تلوار لئے بیٹھے تھے

اک طرف مرتضوی صبر کی زندہ تصویر اک طرف ننگِ خصومت لئے دنیا کے شریر
چاہتے تھے کہ مٹے روشنیٔ ربِّ قدیر کوئی پیغامِ خدا دے نہ سکے حق کا ضمیر
مدعا یہ تھا ہمارا بھی کہیں نام چلے
ہم ہیں جس طرح اسی طرح کا اسلام چلے

سر جھکائے رسنِ صبر میں خاموش علیؑ
دیکھتے تھے کہ عجب رسم زمانے کی چلی
ہوتی جاتی تھیں خفی دین کی آیات جلی
ظلمتِ کفر میں محصور تھا نورِ ازلی
خواہشِ ظلم یہ تھی گردشِ ایام رہے
دہر میں صبحِ مدینہ نہ رہے شام رہے

ڈال کر چہرۂ اسلام پہ شاہی کی نقاب
بہرِ ترمیم اٹھا لائے محمدؐ کی کتاب
اپنی ہی ذات کو پہنا کے خدائی القاب
پیاس دنیا کی بجھانے لگے مانندِ سراب
اتنا بے نور کیا علم کے کاشانے کو
ہاتھ میں رہ گیا قرآن قسم کھانے کو

ایسے حالات میں چپ رہ نہ سکا صبرِ امامؑ
آگئی دستِ یداللہ میں خالق کی حسام
بھیج کر آلِ محمدؐ پہ درود اور سلام
نیتِ صبح ہوئی پاک کرے قصۂ شام
یاد کس کو لبِ صفین کا اعلان نہیں
جو علیؑ کے ہو مقابل وہ مسلمان نہیں

سرخرو ہو گئے مسجد میں علیؑ قلعہ شکن
لنگرِ ارض اٹھانے کو بڑھا صبرِ حسنؑ
وہی نانا کے طریقے، وہی بابا کا چلن
ایک ہی فکر کہ اسلام کا اُجڑے نہ چمن
صلح کی تیغ کا ہر پھل تر و تازہ نکلا
والیٔ شام کی سازش کا جنازہ نکلا

کُشتۂ زہر ہوا جب وہ امامؑ حرمین　　　طاقِ نسیاں ہوئی دنیا میں حدیثِ ثقلین
دیکھ کر عزمِ بشر رک گئی نبضِ کونین　　　صبر میداں میں اُتر آیا بعنوانِ حسینؑ
نوکِ نیزہ کو پیمبرؐ کی نشانی دے دی
باپ نے موت کو بیٹے کی جوانی دے دی

دیکھ کر صبر کے چہرے کی اداسی شبّیرؑ　　　لائے میدان میں چھوٹی سی علیؑ کی تصویر
حلقِ اصغرؑ پہ لگا ظلم کے کردار کا تیر　　　مَل لیا اپنے رُخِ پاک پہ خونِ بے شِیر
عصرِ عاشور کو قرآں کا یہ انداز کھلا
اِنّا لِلّٰہ کی تفسیر کا اب راز کھُلا

دفنِ اصغرؑ سے جو فارغ ہوئے سلطانِ زمن　　　آئے سجّادؑ کے خیمے میں جھکائے گردن
رُخ پہ اصغرؑ کا لہو جسم پہ زخموں کا کفن　　　اور غم بڑھ گیا دیکھی جو پسر کی اُلجھن
بولے اے لال اُٹھو سوئے عدم جاتے ہیں
تم کو اللہ سلامت رکھے ہم جاتے ہیں

وقت نے چھین لیا سینۂ شبّیرؑ کا چین　　　آج قسمت ہے یتیموں کیلئے شیون و شین
اب سُنے جاتے نہیں زینبؑ و کلثومؑ کے بین　　　کوئی باقی نہیں مقتل میں اکیلا ہے حسینؑ
عصر کے وقت ستم حد سے بڑھیں گے بیٹا
آج ہم نیزے پہ قرآن پڑھیں گے بیٹا

دِل دھڑکتا ہے کہ ہو جائیں نہ رانڈیں بے آس　　شام کا وقت بھی نزدیک ہے کوئی تو ہو پاس
بچّے دریا کی طرف دیکھ کے ہوتے ہیں اداس　　بال کھولے ہوئے کہتے ہیں حرم یا عباسؑ
کٹ گیا سارا چمن ایک گُل تر نہ رہا
اب تو پیری کا سہارا علی اکبرؑ نہ رہا

فکر ہے شامِ غریباں میں یہاں کیا ہو گا　　کربلا روئے گی کچھ ایسا اندھیرا ہو گا
باپ کا لاشہ تو مقتل میں تڑپتا ہو گا　　پیاری بیٹی کے لئے اشکوں کا دریا ہو گا
سب سے چھوٹی ہے بہن بھول نہ جانا سجّادؑ
اپنے سینے پہ سکینہؑ کو سلانا سجّادؑ

آنکھ بیمار نے کھولی تو یہ منظر دیکھا　　خونِ تازہ شہِ مظلوم کے رُخ پر دیکھا
باپ کو دیکھ کے جب خیمے کے اندر دیکھا　　اک طرف ثانیٔ زہراؑ کو کھلے سر دیکھا
شدّتِ دَرد سے لب سِل گئے خاموش ہوئے
ہاتھ تلوار پہ ڈالا تھا کہ بے ہوش ہوئے

شہ تو مقتل میں گئے چھوڑ کے عابدؑ کو ملول　　غل ہوا لوٹ کے مُرجھا گیا اسلام کا پھول
سر ہے شبیرؑ کا نیزے پہ زمیں پر ہیں رسولؐ　　بال کھولے ہوئے اک لاش سے لپٹی ہیں بتولؑ
ذرّے اک میّت بے گور و کفن چومتے ہیں
سینکڑوں تیر مسافر کا بدن چومتے ہیں

جلتے خیموں نے کہا جل گیا اللہ کا گھر — لگ گئی آیۂ تطہیر کو دنیا کی نظر
چھپ گیا شام کے بادل میں محمدؐ کا قمر — آئی زہراؑ کی صدا چھن گئی میری چادر
پی لیا خونِ وفا ظلم کے دیوانوں نے
اُمتیں لوٹ لیں کعبے کے مسلمانوں نے

دل کی تسکین لٹی قلب کا ارمان لُٹا — ساتھ آیا تھا مدینے سے جو سامان لُٹا
مسندِ ختمِ رُسل لُٹ گئی قرآن لُٹا — لُوٹنے والے مسلمان تھے، مہمان لُٹا
شام والوں نے سب آثارِ سحر لوٹ لیے
شمر نے بالی سکینہؑ کے گہر لوٹ لیے

آتشِ خیمہ سے بستر پہ جو تڑپا قرآں — کہا زینبؑ نے اٹھو میرے بھتیجے مِری جاں
بھائی مارے گئے اب تم ہو امامِ دوجہاں — ہوش میں آؤ ذرا دیکھ لو آنکھوں سے دھواں
ظلم کے شعلے میں اب مسندِ سرورؑ کی جگہ
راکھ کا ڈھیر ہے گہوارۂ اصغرؑ کی جگہ

ہوش میں آگئے سجادؑ قیامت دیکھی — جس پہ گریاں ہو مصیبت وہ مصیبت دیکھی
طوق و زنجیر میں خود اپنی امامت دیکھی — دل کے قرآں پہ فقط صبر کی آیت دیکھی
کہا زینبؑ سے رہِ صبر پہ چلنا ہو گا
اب تو بے مقنع و چادر ہی نکلنا ہو گا

حکمِ سجّادؑ سے سیّدانیاں باہر نکلیں　　بیٹیاں فاتحِ خیبر کی کھُلے سر نکلیں
دیکھ کر لاشوں کو مقتل کی زمیں پر نکلیں　　چہرے بالوں سے ڈھکے یا علیؑ کہہ کر نکلیں
پورا قرآن چلا وارثِ تطہیر کے ساتھ
صبر لپٹا رہا بیمار کی زنجیر کے ساتھ

سلام

جو لوگ درِ آلِ محمدؐ پہ پڑے ہیں
تاریخ بتائے گی وہی لوگ بڑے ہیں

جن لوگوں نے بھیجا نہ درود آلِ نبیؐ پر
اب تک وہ تباہی کے کنارے پہ کھڑے ہیں

ہر قولِ رسالتؐ پہ ہے قرآں کی تصدیق
باقی جو فسانے ہیں، وہ دنیا نے گھڑے ہیں

دنیا جسے سمجھی ہے ہجومِ سپہِ شام
عباسؑ کی نظروں میں وہ مٹی کے گھڑے ہیں

ہر دور میں آسان ہے بے دین کی پہچان
یہ لوگ ہمیشہ رہِ باطل پہ اڑے ہیں

ظالم سے کہاں اجرِ رسالتؐ کی توقع
پودے ہی نہ نکلیں گے اگر بیج سڑے ہیں

منکر جو ہوئے رندِ مئے حبِّ علیؑ کے
دانستہ وہ ٹھہرے ہوئے پانی میں کھڑے ہیں

سفیرِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(در حالِ حضرت مُسلم بن عقیلؑ)

٦٩

سنہ ١٩٨٠

سفیرِ آلِ محمدؐ

حضرت امام حسینؑ اور آلِ امامؑ کے لئے بے شمار مرثیے لکھے گئے ہیں۔ ایسے میں اسلوب اور خیال کے حوالے سے کوئی نئی بات اصل میں راز کی بات ہوتی ہے۔ سیّد وحید الحسن ہاشمی کی اس کتاب کا نام "العطش" ہی ایک انوکھی چمک دل میں جگا دیتا ہے۔ پیاسے آدمی کی آنکھوں میں کئی مرثیے لکھے ہوتے ہیں۔ یہ دکھ اور جرأت کا عجب امتزاج ہوتا ہے۔ حق کی راہ میں مرنے والوں کے لئے لکھا گیا ہر لفظ ایک مرثیہ ہے، تب لفظ اور لہو کے قطرے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ لہو کا ایک قطرہ ایک پورا جہان ہوتا ہے۔ سادہ اور روشن منظروں کی کثرت میں، وحید الحسن ہاشمی نے اپنی نگاہوں سے دیکھے ہوئے منظر رلا ملا دیئے ہیں۔ دراصل انہوں نے لہو میں آنسو ملا دیئے ہیں۔ مرثیے کے فن کا کمال اداسی کے جمال سے پھوٹتا ہے۔

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو سیّد وحید الحسن نے حضرت امام حسین علیہ السّلام کا سفیر کہا ہے، پھر انہیں حسینؑ کے وکیل کا خطاب دیا ہے۔ ان دونوں القاب میں پوری تاریخ اور تہذیب سمٹ آئی ہے۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ کو اتنا بڑا خراجِ تحسین شاید ہی اس سے پہلے پیش کیا گیا ہو۔ حضرت مُسلم بن عقیلؑ کے لئے سیّد وحید الحسن ہاشمی کے اشعار قصیدہ بھی ہیں اور مرثیہ بھی۔ اس قصیدے میں ملال کی ایک لہر ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ یہی ادا جوش کے ہاں جلال کا تأثر بناتی ہے۔ جلال اور جمال ساتھ ساتھ نہ ہوں تو تاثیر کم ہو جاتی ہے۔ سیّد وحید الحسن ہاشمی کے ہاں قصیدہ جب پوری طرح مرثیے کی ندی میں اترتا ہے تو دل دریا بن جاتا ہے۔ یہ وہ دریا ہے، جس میں آنسو اور خون کی ذات ایک ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر محمد اجمل نیازی
شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کالج — لاہور

سفیرِ آلِ محمدؐ

ذہنِ وطن کا آئینہ بردار ہے سفیر
مرکز ہے آفتاب ضیا بار ہے سفیر
قائل ہو چشمِ غیر وہ معیار ہے سفیر
ملت ہے واقعہ تو قلمکار ہے سفیر
لفظِ وفا سے مثلِ رگِ جاں قریب ہے
ہر شام کی فضا میں سحر کا نقیب ہے

ایسا نقیب جس کی اہم ذمہ داریاں
جو اجنبی فضا میں محبت کا ترجماں
اپنے چمن کی بولتی تہذیب کا نشاں
جس طرح کوئی پھول ہو کانٹوں کے درمیاں
دامن بنا کے اپنے گریباں کے تار کو
خوشبو کی بھیک دے جو نسیمِ بہار کو

یہ منصبِ جلیل ہے اک نعمتِ خدا
بینش نگاہ شوقِ سفارت کا ارتقا
تہذیبِ امن و صلح کا پیکر بنا ہوا
اک ذہن اور سارے زمانے کا جائزا
آنکھوں میں زندگی کے مقاصد کی حد لئے
مٹھی میں اعتبارِ وطن کی سند لئے

نورِ وفا سے قلب نہ جب تک ہو مستنیر   ممکن نہیں کسی کو ملے رتبۂ سفیر
غالب رضائے خود پہ رہے مرضیِ امیر   جب تک نہ ہو نظام حکومت کا دستگیر
کچھ بھی ہو، گرد و پیشِ جہاں کی خبر اُسے
ملتی نہیں سفارتِ اہلِ نظر اُسے

ہنگامۂ جہاں میں صدائے وطن سفیر   ارضِ وطن چمن ہے، نسیمِ چمن سفیر
ملت شبابِ حسن فزا بانکپن سفیر   اربابِ اختیار جسد ہیں دہن سفیر
مفہوم گفتگو کا اثر تولتا ہے یہ
فرمانروا کے دل کی زباں بولتا ہے یہ

ہر دم اسے مفادِ وطن کا خیال ہے   آغازِ فکر دینِ خدا کا مآل ہے
آئینہ سب جہاں کا عروج و زوال ہے   اس کی نگاہ سلسلۂ ماہ و سال ہے
روشن ہے اس کے سامنے مسلک نجات کا
یہ صاحبِ قلم ہے کتابِ حیات کا

کتنا فلک وقار ہے یہ رتبۂ بلند   مثلِ نجوم روئے سفارت ہے ارجمند
فکرِ سفیر خیر پہ رہتی ہے کاربند   اس کے مزاج کو نہیں مکر و دغا پسند
کٹتی ہے گر زبان تو کٹ جائے بات پر
یہ عزم کا پہاڑ ہے راہِ ثبات پر

جب بھی رہِ صواب سے بھٹکا ہے آدمی بجھنے لگی چراغِ صداقت کی روشنی
معیارِ جذب وشوق میں آنے لگی کمی رُوئے سحر کو ڈسنے لگی شامِ زندگی
جو گیسوئے ہوا و ہوس میں اسیر ہے
وہ آدمی سفیر نہیں بے ضمیر ہے

دیتا ہے یوں پیامِ نمودِ وطن سفیر ہوتی ہے آفتاب کی جیسے کرن سفیر
یوں ہے بساطِ ارض پہ باطل شکن سفیر نظروں سے کاٹتا ہے رگِ اہرمن سفیر
انسانیت کے قلب و نظر کا وکیل ہے
قربِ خدا ملے تو یہی جبرئیلؑ ہے

بھیجے خدا نے کتنے سفیرانِ نیک نام جن کا کلام خالقِ کونین کا کلام
وحدت کی طرح ایک ہی دیں ایک ہی نظام جن کے نقوشِ پا کو فلک نے کیا سلام
حیرت سے ہوش اڑنے لگے ماہ و طین کے
ہفت آسماں مکین ہوئے ہیں زمین کے

ایسے سفیر جن کی نظر میں خدا کا نور ہو جائے پست دیکھ کے جن کو فرازِ طور
سرمایۂ حیا سے مزین، ریا سے دور جب یہ جواں ہوئے تو جواں ہوگیا شعور
بارش ہوئی تجلّیٔ ذات و صفات کی
جب ان کے لب کھلے تو زمانے نے بات کی

ایسے سفیر جن سے فروزاں ہوئی حیات   آگے بڑھی تمدن و تہذیب کی برات
سمٹی دلہن کی طرح سے تنظیمِ کائنات   انسانیت کے قلب میں اتری خدا کی بات
حیرت سے کائنات کا دل ڈولنے لگا
انسان کی زباں سے خدا بولنے لگا

نافذ ہوئے کتابِ سفارت کے سب اصول   تہذیب کے چمن میں کھلے آگہی کے پھول
ہونے لگا زمیں پہ آیات کا نزول   انوار کے ہجوم میں بھیجے گئے رسولؐ
رکھی گئی حیات کی بنیاد دین پر
عرشِ بریں سے آ گئی جنت زمین پر

قائم ہوئی خرد پہ خیالات کی اساس   تاریکیوں میں ڈوب گیا پیکرِ قیاس
عصمت کے آنچلوں کا ملا علم کو لباس   پہنچا رخِ نفاق پہ دستِ وفا شناس
سیلِ گراں رکا ہے کہیں قال و قیل سے
باطل شکست کھا گیا حق کی دلیل سے

حق کا پیام لیکے بڑھی زندگی کی رو   آفاقیت کے قلب سے ابھری وفا کی لو
ڈالی جو انقلاب کے سورج نے اپنی ضو   کیفِ ازل سے کرنے لگا بات عصرِ نو
ذرے بڑھے فلک کے ستاروں کی تاک میں
گردوں کا دل دھڑکنے لگا نبضِ خاک میں

انسانیت کے ذہن کا سورج ہوا طلوع　　صالح طبیعتوں سے روابط ہوئے شروع
قلبِ حیاتِ خیر کی جانب ہوا رجوع　　آیا دل و نظر کے قریں حلقۂ خشوع
فکرِ جہاں کو سارے مصائب کا حل مِلا
انسانیت کو خلعتِ خیر العمل مِلا

دنیا رہی مدام رسولوں کا مستقر　　آتے رہے سفیر مسلسل رہا سفر
جس کے وجود سے ہوا کعبہ بلند سر　　اُبھرا زمیں کی سطح پہ ایسا بھی ایک گھر
کعبے کی عظمتوں کے نگہبان ساتھ تھے
بڑھتا نہ کیوں وقار کہ عمرانؑ ساتھ تھے

خائف تھی جن کے رعب سے کونین کی نگاہ　　عمران کا وہ عہدِ سفارت وہ عزّ و جاہ
آنگن میں جن کے کھیلتے رہتے تھے مہر و ماہ　　شاہدِ رسولؐ وقت پہ اسلام کے گواہ
آیاتِ ذوالجلال کا روشن نشان تھے
عمرانؑ انقلاب کا اک آسمان تھے

جن کے نفس کے ساز پہ یہ زندگی چلی　　وہ محرمِ حیاتِ ابد وقت کے وَلی
ہیں ان کی تربیت کا اثر مرتضیٰ علیؑ　　تاریخ نے انہی کے قدم پر جبیں ملی
اصلِ حیات آج بھی ان کے اصُول ہیں
حد یہ ہے ان کی گود کے پالے رسُولؐ ہیں

ان کے عمل سے حق کے مظاہر عیاں ہوئے　　ذرّوں کو دل کی آنچ ملی کہکشاں ہوئے
بچّے انھی کے فیض سے معجز بیاں ہوئے　　پل کر انھی کے گھر میں پیمبرؐ جواں ہوئے
ان سے رواں ہے نبضِ شہور و سنین کی
عمرانؑ ابتداء ہیں محمدؐ کے دین کی

چہرے پہ تھا خلیلِؑ خدا کی دُعا کا رنگ　　دل کے حرم میں سجدۂ معبود کی امنگ
ابدال کی نگاہ رسولانِ حق کا ڈھنگ　　صبحِ وفا سے صلح تھی، شامِ جفا سے جنگ
رستہ خدا کی وحی کا آسان ہو گیا
جو کہہ دیا زبان سے قرآن ہو گیا

ان کی خرد سے عقل کی جولانیاں تھیں دنگ　　پتّھر بنے تھے خوف سے لنکے شرارِ سنگ
الحاد کے بدن کا لرزتا تھا انگ انگ　　علمِ خدا کی فکر ابو جہل سے تھی جنگ
دل میں یہ عزم کچھ بھی ہو صورت نباہ کی
گردن جھکے نہ اَشھَدُ اَن لاَاِلٰہ کی

ماحول مضطرب تھا سسکتی تھی زندگی　　ڈسنے لگی تھی راہِ صداقت کو گمرہی
چلّا رہی تھی ڈوبتے سورج کی روشنی　　تاریکیوں کے غول میں تنہا ہے آدمی
غلبہ ملے نہ دین پہ اہلِ کنشت کو
گھیرے ہوئے ہے نارِ جہنم بہشت کو

محوِ طرب تھیں اہلِ کدورت کی ٹولیاں — افیونِ انتقام کی بٹتی تھیں گولیاں
بھر بھر کے ظلم وجہل کے سکّوں سے جھولیاں — کم ظرف بولتے تھے حماقت کی بولیاں
خطرے میں اہلِ دل تھے شرافت بلاؤں میں
زنجیر پڑ گئی تھی تقدس کے پاؤں میں

اتنا بگڑ چکا تھا فراعین کا مزاج — موسیٰؑ سے مانگتا تھا یدِ سامری خراج
فسق و فجور کا سرِ ماحول پر تھا تاج — مکّے کی سرزمیں پہ تھا سفیانیت کا راج
تکتا تھا ظلم کفر کے سامان کی طرف
کونین کی نگاہ تھی عمرانؑ کی طرف

بوجہل کو یہ فکر کہ علمِ خدا ہو پست — تاریکیوں کو فتح ہو اور نور کو شکست
ہو دستِ قاہری میں زمانے کا بندوبست — چشمِ خودی پرست پہ جھومیں خدا پرست
دل میں یہ آرزو تھی اُلٹ دے زمین کو
مٹی میں دفن کر دے محمدؐ کے دین کو

عمرانؑ کا یہ عزم کہ دامانِ صبح وشام — جھک کر محمدِؐ عربی کو کرے سلام
ہر طرح سے نبیؐ کی اطاعت کریں عوام — مختارِ کائنات پیمبرؐ ہو یا امامؑ
زر کی ہوس ہو ختم قلوبِ عوام سے
سکّہ چلے خدا کا محمدؐ کے نام سے

پھیلے فضائے دہر میں انسانیت کی بُو　　صبح و مسا ہو رحمتِ عالم کی گفتگو
ٹوٹے عصائے علم سے بوجہل کا سُبو　　آبِ شعورِ عدل سے دنیا کرے وضو
ان کے ہر اک عمل میں اطاعت نبیؐ کی ہو
خالق کی ہو نماز امامت علیؑ کی ہو

ممکن نہیں کہ ظلم بڑھے عدل ہو خموش　　زندہ گمان و وہم ہوں مر جائیں عقل و ہوش
نرغے میں بزدلوں کے مقید ہوں سرفروش　　دب جائے کُلِ کفر سے ایمانِ کل کا جوش
ہو ارتعاش غیرتِ حق کی صداؤں میں
زنجیرِ خامشی ہو اُجالوں کے پاؤں میں

اس صورتِ نظام پہ عمرانؑ کا شعور　　کہنے لگا کہ مٹ نہیں سکتا خدا کا نور
سفیانیت کی جنگ نبوت سے ہے ضرور　　لیکن مرے لہو کی مہک بھی ہے دُور دُور
اُس دور سے علیؑ کی نظر مستنیر ہے
شبیرؑ بادشاہ ہے مسلمؑ سفیر ہے

مسلم جوارِ کفر میں ایمان کے سفیر　　حیوانیت کے دیس میں انسان کے سفیر
مور و ملخ کی سمت سلیمانؑ کے سفیر　　گونگوں کے اژدحام میں قرآن کے سفیر
واقف امامؑ ہی تھے فقط ان کی شان سے
آیات منتظر تھیں کہ نکلیں زبان سے

غیظ و غضب میں خنجرِ ابرو سفیر ہے
خوشبو چمن ہے قاصدِ خوشبو سفیر ہے
کہہ دے جو دردِ قوم وہ آنسو سفیر ہے
قوت ہے حق تو قوتِ بازو سفیر ہے
وابستہ ہو جو صبر و رضا کے جہاد سے
رکھوالے تیغ ظلم کے ابنِ زیاد سے

فطرت نے راہِ صدق پہ قائم کہا انہیں
اسلام نے جلالتِ ہاشمؑ کہا انہیں
ایمانِ کل نے پیار سے مسلم کہا انہیں
تقدیر نے حسینؑ کا خادم کہا انہیں
تاریخ نے چراغِ سفارت بنا لیا
عباسؑ کی وفا نے گلے سے لگا لیا

ان کے پدر کو حق سے ملا منصبِ جلیل
اللہ کے رسولؐ نے جن کو کہا عقیلؑ
نام و نسب میں فردِ شرافت میں بے عدیل
جن کو سلام کرتے تھے استاد جبرئیلؑ
غربت کی زندگی میں بھی حاصل سکون تھا
خود داریاں وہی تھیں کہ ہاشمؑ کا خون تھا

ایسے پدر کی گود میں مسلم ہوئے جواں
دل آسمان تھا تو بصیرت تھی کہکشاں
ہونٹوں پہ کھیلتی تھی سفارت کی داستاں
رہ رہ کے اٹھ رہی تھیں سوئے شام انگلیاں
ورثہ پکارتا تھا چچا کا اثر تو ہے
خیبر کا در اگر نہیں کوفے کا در تو ہے

تا زندگی عقیل رہے دین کی سپر اسلام اور انکی نگاہیں تھیں ہم سفر
حق کے امین چشمِ رسالت میں معتبر بعدِ نبیؐ علیؑ کو سمجھتے تھے راہبر
خود مستعد تھے خدمتِ دارین کے لئے
بیٹوں کو وقف کر دیا حسنینؑ کے لئے

مسلم نے کی جو صورتِ ماحول پر نظر دیکھا کہ اقتدار پہ قابض ہیں اہلِ شر
پستی میں عقل و فہم بلندی پہ سیم و زر تاریک شب میں ڈوب گئی دین کی سحر
ظلمت میں اہلِ فکر کی حالت عجیب تھی
قرآن تحتِ رحل تھا اُوپر صلیب تھی

بدلا ہوا نظام تھا بدلے ہوئے اُصول اہلِ ریا کے پاؤں تھے اور منبرِ رسولؐ
چہروں پہ تھی اُٹی ہوئی آوارگی کی دُھول دروازۂ علوم پہ تھا نرغۂ جہول
غیرت جھنجھوڑتی تھی بشر کے ضمیر کو
قرآں پکارتا تھا جنابِ امیرؑ کو

قرآں کی صدا پہ علیؑ کے قدم بڑھے پیغام لَا اِلٰہَ کا لے کر عَلم بڑھے
سوئے نفاق و کفر بجاہ و حشم بڑھے بہرِ جہاد کھا کے خدا کی قسم بڑھے
آثارِ انقلاب زمانے پہ چھا گئے
غل تھا کہ پھر رسولؐ مدینے میں آ گئے

عمرانؑ کے شعور کو پھر زندگی ملی — گہنا گیا تھا دینِ نبیؐ روشنی ملی
دنیائے اہلِ بیت کے دل کو خوشی ملی — قرآں کے بیاں کو زبانِ علیؑ ملی
جو کچھ زباں پہ تھا نگہ و دل میں آ گیا
انسان اعتبار کی منزل میں آ گیا

دنیا ہوئی مزاجِ امامت سے روشناس — حُبِّ علیؑ پہ دین کی رکھی گئی اساس
کرنیں وفا کی آگئیں مہرِ مبیں کے پاس — دیکھی جو صبحِ شام کا چہرہ ہوا اداس
گھٹتا کہاں کسی سے شرف بوترابؑ کا
ذرّے سے کب رُکا ہے سفر آفتاب کا

مُسلمِ غیور دیکھ رہے تھے یہ دار و گیر — جنگِ جمل کی آگ نے جُھلسا دیئے ضمیر
صفّین و نہروان میں پسپا ہوئے شریر — تھے دیں فروش وقت کے خود ساختہ امیر
تھا ارتقائے ذہنِ بشر اضطراب میں
نبضِ حیات ڈوب رہی تھی شراب میں

مکرِ ستم شعار سے تھے بے خبر عوام — کوفے میں قتل ہو گیا کونین کا امام
جب لے چکا حسنؑ سے امیّہ کا انتقام — بیعت طلب حسینؑ سے تھا اقتدارِ شام
مقصد یہ تھا کہ دین کی حاصل کلید ہو
ابنِ ابوترابؑ نہ ہو اور یزید ہو

ابنِ ابوترابؑ نمائندۂ خلیلؑ کرنے لگا ہدایتِ کونین کی سبیل
اپنا بنا کے مسلمؑ ذی جاہ کو وکیل کہنے لگا کہ اے گہرِ معدنِ عقیلؑ
جاؤ کہ تم بھی لشکرِ دیں کا نشان ہو
کوفے کی ہر گلی میں خدا کی اذان ہو

مسلمؑ چلے، سفیر چلا، داستاں چلی باطل کی سمت حق کی متاعِ گراں چلی
سوئے فساد رحمتِ امن و اماں چلی گوشِ ریا نیوش کی جانب اذاں چلی
فردِ قبیلۂ بنی ہاشم کو دیکھ لو
اسلام دیکھنا ہو تو مسلمؑ کو دیکھ لو

مسلمؑ کے ساتھ حسینؑ نظر چلی لپٹی ہوئی رکاب سے فتح و ظفر چلی
پیچھے قضا ٹھہر گئی آگے قدر چلی بچوں سے کھیلنے کو نسیمِ سحر چلی
زینِ فرس پہ آئے بڑے اہتمام سے
رفعت ملی سفر کو سفیرِ امام سے

حکمِ امامؑ سے وہ سفارت کی جاں چلا گویا مہ و نجوم لئے آسماں چلا
شاہاں صفت غلامِ شہِ انس و جاں چلا مسلمؑ چلے کہ مکہ کا اک کارواں چلا
سمجھے تھے سب عقیلؑ کا یہ نورِ عین ہے
جبریلؑ کہہ رہے تھے سفیرِ حسینؑ ہے

چلتا رہا یہ قافلۂ شوق صبح و شام
دل میں نبیؐ کی یاد زباں پر خدا کا نام
ہر سانس میں علیؑ کی ولایت کا احترام
گویا تخیلات میں تھا مقصدِ امامؑ
مسلمؑ پہ تو اطاعتِ حق فرض عین ہے
عمرانؑ کے لہو کا محافظ حسینؑ ہے

کوفے میں بیعتوں کے سمندر کو دیکھ کر
سمجھے کہ تشنہ کام ہدایت ہے ہر بشر
لکھا امامؑ کو کہ چلے آئیے اِدھر
اب ہے فقط حضور پہ کونین کی نظر
کہتے ہیں لوگ حمد کے پیکر کو دیکھ لیں
اک بار یادگارِ پیمبرؐ کو دیکھ لیں

لیکن ابھی ادا نہ ہوئی تھی نمازِ شب
بھاگے بلا میں چھوڑ کے مسلمؑ کو بے ادب
بڑھتی گئی جو ظلم کی تعزیرِ بے سبب
ابرِ پناہ ڈھونڈنے نکلا مہ عرب
حالات، انقلابِ جہاں سے بگڑ گئے
دوؑ لعل کم سنی میں پدر سے بچھڑ گئے

مسلمؑ یہ سوچتے تھے کہ بچے ہیں خورد سال
تڑپیں گے ماں کی گود کا آئیگا جب خیال
پوچھے گا کون غم سے اگر ہو گئے نڈھال
ان کو خبر نہیں کہ پدر ہے شکستہ حال
گلیوں میں اہلِ بیتؑ کے لعل و گہر پھریں
زندہ پدر ہو اور پسر در بدر پھریں

کوفے کی یہ فضا یہ زمانے کا انقلاب ڈر ہے نہ ڈوب جائیں یہ خورشید و ماہتاب
کھو جائے جب کسی کی امانت تو کیا جواب آتا ہے چشمِ خواہرِ عباسؑ سے حجاب
لاؤں کہاں سے میں وہ اُجالے زمین کے
وہ پھول تو نواسے ہیں امّ البنینؑ کے

بیٹوں کا غم بڑھا تو طبیعت ہوئی اداس رہ رہ کے پھونکنے لگی سینہ جگر کی پیاس
تقدیر لیکے آ گئی طوعہ کے گھر کے پاس دیکھا جو اس نے حال تو بولی بہ دردو یاس
کیا جانے اس غریب پہ کیا وقت پڑ گیا
اس بے وطن کا جیسے بھرا گھر اُجڑ گیا

سوکھے لبوں کو دیکھ کے تڑپی وہ حق نظر پانی کا جام لے کے قریب آئی خوش سیر
کہنے لگی غریب مسافر ذرا ٹھہر کیا جانے کب سے پیاسا ہے کر لے لبوں کو تر
کہتا ہے دل درست یہ میرا خیال ہے
تو سیّدِ البشرؐ کے گھرانے کا لال ہے

مُسلمؑ نے آہ بھر کے کہا حق ہے یہ خیال مُسلمؑ بنِ عقیلؑ ہوں میں اے خجستہ حال
لیکن دُعا یہ مانگ بدرگاہِ ذوالجلال مُسلمؑ کا سر قلم ہو جیئے مصطفیٰؐ کا لال
پھُولے پھَلے زمانے میں گلشن رسوؐل کا
اس شہر میں نہ آئے گھرانہ بتولؑ کا

طوعہ سے ہمکلام تھے مسلمؑ کہ ناگہاں
پیشِ نگاہ ظلم کا لشکر ہوا عیاں
ایسے میں تشنہ کام نے پانی پیا کہاں
پتھر لگا تو خون دہن سے ہوا رواں
زخمی لبوں پہ نعرۂ تکبیر آ گیا
پیاسے پہ اب جہاد کا انداز چھا گیا

تلوار تول کر یہ کہا یا علیؑ مدد
یلغار پر ہیں اہلِ جفا یا علیؑ مدد
سر پر ہے برچھیوں کی گھٹا یا علیؑ مدد
اب ہو گی یادگار وغا یا علیؑ مدد
کانپے زمیں، ہر اہلِ ستم کا جگر ہلے
خیبر کی طرح آج بھی کوفے کا در ہلے

ٹکرائیں بجلیاں تو برسنے لگا لہو
اپنے لہو میں آپ نہانے لگے عدو
باندھا حصارِ تیغ جو مسلمؑ نے چار سُو
چکرا کے گرتے تھے زمانے کے جنگجو
اس حلقۂ اجل سے نکلنا محال ہے
مسلمؑ سے جنگ ہے کہ علیؑ سے جدال ہے

ہر سمت اہلِ کفر کی یلغار توڑ دی
نیزے اڑائے تیروں کی رفتار توڑ دی
کاٹیں کمانیں تیغوں کی جھنکار توڑ دی
دیکھی جہاں بھی ڈھالوں کی دیوار توڑ دی
ہر وار پر سپاہِ ستم لاعلاج تھی
مسلمؑ کی تیغ نادِ علیؑ کا مزاج تھی

دیکھی اجل تو دشمنِ دیں بھاگنے لگے　　اُٹھا جو زندگی سے یقیں بھاگنے لگے
پائی جہاں بھی راہ وہیں بھاگنے لگے　　عادت تھی بھاگنے کی لعیں بھاگنے لگے
رفتار کہہ رہی تھی پسر ناخلف کے ہیں
تاریخ نے کہا یہ بھگوڑے سلف کے ہیں

بھاگے ہوئے لعیں سرِ دربار آ گئے　　بولی شکست میرے پرستار آ گئے
پیشِ بن زیاد خطاکار آ گئے　　یا مرکزِ گنہ پہ گنہگار آ گئے
حاکم کی موت دیدۂ حاکم میں پھر گئی
مغرور کے غرور کی دیوار گر گئی

پھر بیشمار فوج تھی اور سازشوں کا رنگ　　مکر و دغا کی نہر میں ڈوبے اصولِ جنگ
تیغ و سناں کی آب ہوا بزدلی کا زنگ　　خندق میان راہ بنائی بہ فکرِ تنگ
غیرت کہاں تھی ظلم و ستم کی سپاہ میں
لے آئے اہلِ بیتؑ کے یوسف کو چاہ میں

مُسلمؑ کے دونوں ہاتھ پسِ پُشت باندھ کر　　قیدی بنا کے لے چلے جس وقت اہلِ شر
مُسلمؑ کا دل تڑپ گیا یاد آ گئے پسر　　یہ بھی اک امتحاں تھا سفارت کے نام پر
دنیا کو یوں حیات کے لعل و گہر دیئے
دونوں پسر حسینؑ پہ قربان کر دیئے

اب امتحاں کی آخری منزل تھی سامنے　　اب ساعت شقاوتِ کامل تھی سامنے
دربار میں رعونتِ قاتل تھی سامنے　　یعنی بن زیاد کی محفل تھی سامنے
محفل میں قہقہے تھے غریب الدیار پر
اب شہ رگِ حیات تھی خنجر کی دھار پر

مسلمؑ تھے اپنے خون کی دھاروں سے ہمکلام　　یہ مرحلہ نمازِ مودت میں ہے قیام
غالب نہ ہو سکے گا کبھی ظلم کا نظام　　شبیرؑ کے پیام سے ہے زندگی کا نام
جب زندگی نوائے سفارت اٹھائے گی
تاریخ کارنامۂ مسلمؑ سنائے گی

آواز بامِ قصر سے آئی غضب ہوا　　جلاد نے ستونِ مودت گرا دیا
تڑپا بدن زمیں پہ قیامت ہوئی بپا　　شبیرؑ کے سفیر کا سر ہو گیا جدا
کس شان سے کتابِ سفارت لکھی گئی
بازار میں غریب کی میت چلی گئی

میت کے پاؤں میں وہ رسن اور وہ راستے　　زخموں کے ساتھ خاک کے ذرے بھی رو دیئے
مستقبلِ حیات کے آنسو پکار اُٹھے　　مسلمؑ بہت قریب ہیں وہ سخت مرحلے
بنتِ علیؑ کو فوج کے نرغے میں دیکھنا
زینبؑ کو بے ردا اسی کوفے میں دیکھنا

مسلمؑ بہت قریب ہے وہ منظرِ الم — عابدؑ کو تازیانے لگیں گے قدم قدم
بازار میں جب آئیں گے شبیرؑ کے حرم — پوچھے گا واقعہ سرِ عباسؑ ذی حشم
لائے تھے جن کو ساتھ وہ پیارے کہاں گئے
بھیّا مری بہن کے ستارے کہاں گئے

بس اے وحیدؔ آگیا مجلس میں انقلاب — شاید ملا ہو لاشۂ مسلمؑ سے یہ جواب
اچھا ہوا کہ آج یہ بیکس ہے محوِ خواب — کس طرح دیکھتا رُخِ زینبؑ کو بے نقاب
ایسی کسی کو تابِ غمِ جاں گسل نہیں
سجادؑ کا کلیجہ ہے مسلمؑ کا دل نہیں

✱✱✱✱✱✱✱✱✱

ملیکۃ العرب

(در حال حضرت خدیجۃ الکبریٰ)

۶۱

سنہ ۱۹۸۱ء

ملیکۃ العرب

جدید مرثیہ نگاری میں وحید الحسن ہاشمی ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ وہ مرثیے کی قدیم اور کلاسیکی روایت کا بھی احترام کرتے ہیں اور جدید مرثیے میں بیک وقت آلِ رضا اور جوش ملیح آبادی سے متاثر ہیں۔ جوش کے مسدس میں شکوہِ الفاظ کا حسن اور وقار کارفرما ہے تو آلِ رضا کے فن میں واقعہ نگاری کا ایجاز اور طریقۂ استدلال کا تنوع پایا جاتا ہے۔ ان دونوں کے امتزاج نے وحید الحسن ہاشمی کے فنِ مرثیہ نگاری کو معتبر بنایا ہے۔ ہاشمی صاحب محض متبع نہیں مخترع بھی ہیں۔ زیرِ نظر مرثیہ ملیکۃ العرب جناب خدیجۃ الکبریٰؑ کے حال میں رقم ہوا ہے، لیکن حضرت خدیجہؑ کے اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ پسندیدہ کے بیان سے متعلق ہے۔ ان کی عصمت اور عفت اور ان کے خانوادے کی جلالتِ قدر پر روشنی ڈالنے کے لئے ہاشمی صاحب نے تاریخی شواہد اور منطقی استدلال سے جو براہین کئے ہیں، وہ مُسقت ہی نہیں بلکہ برہانِ قاطع اور قاطع برہان کی دولت و ثروت اور ان کی طہارت و پاکیزگی ان کی شخصی حیثیت کے تعین میں مددگار ہوئی، نیز ان کی اولاد کو اور اولاد در اولاد کو جو شرف حاصل ہوا، اس سے مرثیہ نگار نے کام لیتے ہوئے واقعۂ کربلا سے رجوع کیا۔ جنابِ فاطمۃ الزہرؑہ اور انکی صاجزادی حضرتِ زینبؑ کے کردار میں جو طنطنہ اور وقار، جو ہیبت اور دبدبہ واقعۂ کربلا کے بعد سامنے آیا، وہ جنابِ خدیجۃ الکبریٰؑ کی سیرت کا پرتو ہے۔

وحید الحسن ہاشمی مرثیہ گوئی میں بیسویں صدی کا ذہن رکھتے ہیں اور جملہ علومِ متداولہ سے کام لیتے ہوئے اور شعر و ادب کے قارئین اور سامعین کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور انکی سائیکی کو سامنے رکھ کر واقعات و کردار کی ایمائیت پر بھروسہ کرتے ہوئے نہایت بلیغ اشارے کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ یہی ان کے کلام کا نمایاں وصف ہے اور ان کے مرثیہ نگاری کے فن کا نقطۂ کمال بھی ہے۔

صدر شعبۂ اردو - ایف۔ سی۔ کالج — لاہور ڈاکٹر آغا سہیل

ملیکۃ العرب

میزانِ روشنی میں زمانے کو تولئے
مقصد سے زندگی کے فسانے کو تولئے
ماحول میں عمل کے خزانے کو تولئے
قرآن سے نبیؐ کے گھرانے کو تولئے
آیت کہے گی حرمتِ اشراف چاہیئے
تاریخ وزن رکھتی ہے انصاف چاہیئے

قانونِ اتحاد جدا ہے نفاق سے
حق کا چراغ دور رہے نیالکے طاق سے
واقف ہیں اہلِ فکر ادب کے مذاق سے
تحریر بولتی ہے سیاق و سباق سے
منصف نظر پہ عہدِ وفا کا سلام ہے
لفظوں کی روشنی سے مورخ کا نام ہے

لفظوں میں سرکشی ہو اندھیرا یہی تو ہے
نقطوں میں بے رخی ہو اندھیرا یہی تو ہے
ذہنوں میں کجروی ہو اندھیرا یہی تو ہے
مصلوب روشنی ہو اندھیرا یہی تو ہے
بُنتے ہیں جال رشتۂ تہذیب توڑ کر
امراض پر یقیں ہے مسیحا کو چھوڑ کر

پہنا دیا شعور کو تاویل کا لباس رکھدی بساطِ جبر پہ احساس کی اساس
لیکر کتابِ شرع سے بے ربط اقتباس دینِ خدا کو کر دیا آلودۂ قیاس
رشتہ علوئے فکر کا معدوم ہو گیا
ظالم حدِ قیاس میں مظلوم ہو گیا

کیا کیا جبینِ وقت پہ تاریخ کے ہیں گھاؤ تہذیب کے ورق پہ ہے تخریب کا الاؤ
ذہنِ بشر پہ بڑھ گیا تشکیک کا دباؤ ساحل پہ ڈوبنے لگی انسانیت کی ناؤ
طوفاں اُٹھا جو دین میں اجماعِ عام کا
اُمّت کو دے دیا گیا منصب امام کا

عقل و خرد پہ چھا گیا رنگِ تعصّبات دل کے حرم میں بس گئی تصویرِ سومنات
اُوجھل ہوئے نظر سے الوہی تصوّرات شاہی دلوں میں جذب ہوئیں کرگسی صفات
توہین کر کے چہرۂ دیں کے جمال کی
تصویر پوجنے لگے اپنے خیال کی

اپنی عقیدتوں کے سجائے گئے محل تقدیس کے کھلائے گئے کاغذی کنول
دولت بڑھی تو گھٹ گئی آزادیٔ عمل توڑا گیا انہیں بھی جو قانون تھے اٹل
باطل اس انقلاب سے خورسند ہو گیا
مذہب امیرِ شہر کا پابند ہو گیا

اب مصلحت میں ڈوب گیا دین کا نظام — حق کے مقابلے میں بنائے گئے امام
چکی میں جبر و قہر کی پیسے گئے عوام — آگے خود اپنی ذات تھی پیچھے خدا کا نام
قدغن لگی ضمیر کی ہر روک ٹوک پر
قرآں کو چڑھا دیا نیزے کی نوک پر

قرآں کے مزاج کا ادراک تھا محال — بیگانہ جواب تھا امّت کا ہر سوال
خود ساختہ حدیثیں بنیں عافیت کی ڈھال — دنیا پرستیوں میں ڈھلا دینِ ذوالجلال
دل کی خلیج اپنی خطاؤں سے پاٹ دی
عصمت کی شرط دفترِ ایماں سے کاٹ دی

مشہور یہ کیا کہ محمدؐ تو ہیں بشر — انکا مدارِ خلقتِ ظاہر ہے خاک پر
انکے بھی جسمِ خاک پہ موسم کا ہے اثر — مثلِ بشر شہود کی پابند ہے نظر
بے جاں جہاں کے کارِ مسلسل سے ہو گئے
آخر زمیں اوڑھ کے تربت میں سو گئے

ان کی نظر میں جہل کا پیکر ہے آدمی — جس سے کوئی خطا نہ ہو ایسا نہیں کوئی
فکرِ ابوالبشر میں تراشی گئی کجی — توبہ کو اہلِ نقص سمجھنے لگے کمی
حقانیت کو فکر کا نقصان کہہ دیا
معصوم کو خطاؤں کا انسان کہہ دیا

ایسے بھی ہیں جو فخر سے کہتے ہیں بار بار ہم ہیں گناہ گار تو سب ہیں گناہ گار
ہوتے نہیں جو منصبِ اعلیٰ سے ہمکنار کرتے ہیں پستیوں سے سرافرازیوں پہ وار
مقصد یہ ہے کہ ہم سے نہ کوئی سوار رہے
معصوم ہم نہیں ہیں تو کیوں دوسرا رہے

کہتے ہیں آدمی ہے بہر حال محترم سب ایک سے ہیں کوئی زیادہ کوئی نہ کم
قسمت لکھی گئی نہ مقدر ہوا رقم فطرت نے سب کو ایک سے ساماں کئے بہم
جاہل کہو کسی کو نہ اہلِ خبر کہو
ہے آدمی رسولؐ کہو یا بشر کہو

لیکن یہ ناقدین سے پوچھے کوئی ذرا قرآں کی رُو سے معنئ تطہیر پھر ہَیں کیا
جب آدمی کی فکر ہے آلودۂ خطا کیوں اک بشر کو حقِ تصرف دیا گیا
نعرہ برابری کا ہے جب ہر زبان پر
کیوں مصطفےٰؐ کو حق ہے زمانے کی جان پر

جب عالمِ شہود کے انساں ہَیں ایک سے پھر اتباعِ حکمِ نبیؐ کیوں کوئی کرے
جب آب و گل کے جسمِ بشر میں ہَیں سلسلے پھر کس طرح رسولؐ سوئے لامکاں گئے
جب بندشیں کوئی نہیں رزقِ حلال پر
صدقہ حرام کیوں ہے محمدؐ کی آلؑ پر

یکساں ہیں جب سرشت میں کل ساکنِ زمیں
سایہ نبیؐ کے جسم مبارک کا کیوں نہیں
جب ہیں رسولِ پاکؐ اسی خاک کے مکیں
کِسطرح لامکاں سے مکاں ہو گیا قریں
جب ہر بشر کا رنگ ہے بزمِ شہود میں
کیوں صرف اہلِ بیتؑ ہیں شامل دُرود میں

جب ایک ہی شجر کے ہیں سب آدمی ثمر
شیریں جو انہیں یہ ہے تو وہ کیوں ہے تلخ تر
جب آسمان سے کوئی اترا نہیں بشر
آدم کہاں سے آ کے بسے ہیں زمین پر
فطرت نہیں یہ مہد میں جب کائنات کی
کِس طرح پھر مسیحؑ نے جھولے میں بات کی

یہ وہم اس لئے ہے کہ انسان کا خیال
خود غرضیوں کا اپنی بچھائے ہوئے ہے جال
باہر شعورِ جسم سے ہے رُوح کا کمال
آنکھوں سے دیکھتا ہے فقط ظاہری جلال
گزرے جو عمر نفس پرستی کی چاہ میں
عصمت کا نُور آ نہیں سکتا نگاہ میں

عصمت کی شرط اس لئے دل کو نہیں پسند
پہنچے گا اقتدار کی توجیہہ کو گزند
ممکن ہے ٹوٹ جائے مفادات کی کمند
ہو جائیں مکر و زور کے حق بوتلوں میں بند
ڈر ہے کہ جاننے کو حقیقت تو جان لیں
پھر ہم کہاں تصوّرِ عصمت جو مان لیں

عصمت خدا کی دی ہوئی نعمت کا نام ہے　　یہ آدمی کے دل کی طہارت کا نام ہے
تطہیر کی فضا میں عبادت کا نام ہے　　یہ آلِ مصطفیٰؐ کی شرافت کا نام ہے
تہذیبِ نفس سے جو حلاوت ہے بات میں
عصمت کا نور دوڑ رہا ہے حیات میں

عصمت نہیں تو چھن گیا انسانیت کا نُور　　عصمت نہیں تو ہو گیا انسان بے شعُور
عصمت نہیں تو آ گیا اذہان میں فتوُر　　عصمت نہیں تو فکر کا فقدان ہے ضرور
اسلام کے اسی سے معیّن اصول ہیں
عصمت کی روشنی سے محمدؐ رسُول ہیں

عصمت نہیں تو کون کرے فرقِ نور و نار　　یکساں ہے پھر تو ظالم و مظلوم کا شعار
بے دین سے کہیں تو ممیّز ہو دیندار　　وہ باغباں ہے کب جو سمجھتا ہے گل کو خار
عاصی کی رو میں گر کوئی معصوم بہہ گیا
پھر اُمّت و رسولؐ میں کیا فرق رہ گیا

مانا کہ ہر بشر میں ہے انسانیت کا نور　　لیکن عمل کے وزن میں تفریق ہے ضرور
کچھ ہیں غریقِ رجس تو کچھ رجس سے ہیں دُور　　عصمت ہے درمیاں میں اُدھر جہل اِدھر شعور
یہ روشنی نہیں ہے تو ہر فکر خام ہے
معصوم ہے مزاج تو انساں امام ہے

نسیاں کو سرشتِ بشر مان لیں اگر　　کس کو کہیں گے صاحبِ میزانِ خیر و شر
پھر تو نہ شرطِ راہبری ہے، نہ راہبر　　جس کا جدھر مفاد ہو رستہ چلے اُدھر
شیشہ ہے ایک سمت تو اک سمت سنگ ہے
ٹکرائیں گے مفاد تو انجام جنگ ہے

لازم اسی لئے ہے کہ معصوم ہو کوئی　　سکھلائے ابلہوں کو جو آدابِ آگہی
بدلے شعورِ عدل سے اندازِ کافری　　تصویر کو نگاہ سے پہنائے زندگی
فطرت سے یوں رضائے خدا ہمکنار ہو
قالین کی لکیر اسد کی ڈکار ہو

خالق حدودِ عقلِ بشر سے بلند تر　　انسان اُسکی عصمت و عظمت سے بےخبر
جب تک نہ درمیاں میں ہو کوئی پیامبر　　آگاہ معرفت سے ہو کیونکر دلِ بشر
جس کے سبب خدا سے بشر ہمکلام ہے
قرآں میں اُس وسیلے کا معصوم نام ہے

معصوم جانتا ہے ضمیرِ بشر ہے کیا　　معصوم جانتا ہے الوہی نظر ہے کیا
معصوم جانتا ہے سبب کیا، اثر ہے کیا　　معصوم جانتا ہے اُدھر کیا، اِدھر ہے کیا
ہر اک کا دادگر بھی مسیحِ عوام بھی
معصوم ہے خدا بھی، نبیؑ بھی، امامؑ بھی

آدم خدا کے امر کا ہیں نقشِ اوّلیں — کونین میں خلافتِ اللہ کے امیں
ان میں بھی نقص ہے تو پھر اے چشم نکتہ چیں — نقاش کی خطا ہے، خطا نقش کی نہیں
کیوں طعنہ زن ہے عصمتِ آدم کے حال پر
الزام آ رہا ہے خدا کے کمال پر

جب بیچ دے حسد سے کوئی عصمتِ قلم — محفوظ اسکی تیغِ ستم سے نہ تم نہ ہم
جو حسنِ نبیؐ کا بھی کر دیں وقار کم — ان کی نظر میں آلِ محمدؐ کا کیا بھرم
جن کے دماغ و دل پہ درِ فضل بند ہو
اُن کو نبیؐ کے گھر کا حشم کیوں پسند ہو

بغض و عناد کے جو چلے تیر ہر طرف — اک تیر کا جنابِ خدیجہؑ بنیں ہدف
جن کو خدا نے اور نبیؐ نے دیا شرف — تھی جن کی گود گوہرِ معصوم کا صدف
اُن کے لئے کہا کہ رہِ گمرہی میں تھیں
چالیس سال تک اثرِ کافری میں تھیں

اللہ رے یہ ذاتِ خدیجہؑ پہ اتّہام — کہتے ہیں حلقہ بندِ نصاریٰ تھیں صبح و شام
جس دن سے زندگی نے پیا بیوگی کا جام — کرنے لگیں بہ شوق تجارت کا انتظام
ہمسر کوئی مِلا جو نہ گرد و نواح میں
آئیں محمدِ عربی کے نکاح میں

یہ اس کا ذکر ہے جو طہارت نشان ہے   جو مصطفیٰؐ کے دین کی عزت ہے شان ہے
انسانیت کی رُوح شرافت کی جان ہے   تقریبِ ذوالعشیرہ کی جو میزبان ہے
یہ بیوگی کا رنگ بھی سیرت میں بھر گیا
الزام تھا کسی پہ خدیجہؑ کے سر گیا

تھا ان کا خاندان زمانے میں محترم   بھرتا تھا اتباعِ خلیلؑ خدا کا دم
تھا اُن کا معترف ابوطالبؑ سازی حشم   در پر انہیں کے ختم رسلؐ نے رکھا قدم
پہلے تھیں پاک اور بھی کچھ پاک ہو گئیں
راز آشنائے سیّدِ لولاک ہو گئیں

آئیں نبیؐ کے گھر میں سعادت لئے ہوئے   دنیا کا مال دین کی دولت لئے ہوئے
فطرت میں ہر طرح کی شرافت لئے ہوئے   اسلام کے فروغ کی نیت لئے ہوئے
نعدادِ فوج سے، نہ جدال و ستیز سے
دینِ خدا پھلا ہے انہیں کے جہیز سے

ان کی مدد ملی تو ہوئے مطمئن رسولؐ   گلزارِ دیں میں کھل گئے حسنِ عمل کے پھول
نیت فروغِ شرع کی ایسی ہوئی قبول   جو بھی عمل کیا وہ بنا دین کا اُصول!
ان پر اسی لئے تو شرف کا نزول ہے
شوہر رسولِؐ پاک ہے، بیٹی بتولؑ ہے

محبوبِ کردگار کی تسکینِ جاں ہیں یہ　　بزمِ جہاں کی فخر ہیں نازِ جناں ہیں یہ
سجدے میں خم جبینِ وفا ہے جہاں ہیں یہ　　یہ انتہا کہ فاطمہؑ زہرا کی ماں ہیں یہ
منزل شناسِ وحی ہیں عالی مقام ہیں
بیٹی ہے ایک نسل میں گیارہ امام ہیں

ایسا وقار کس کو ملا ہے جہان میں　　فکرِ عمل زمیں پہ ہے، ذکر آسمان میں
شامل انہیں کا گھر ہے صلوٰۃ و اذان میں　　آیات کا نزول ہوا ان کی شان میں
پرکھو کسی بھی رُخ سے نتیجہ نہیں کوئی
ازواج اور بھی ہیں خدیجہؑ نہیں کوئی

ان کی رگوں میں خونِ وفا کی ہیں گردشیں　　قلبِ صفا میں جود و سخا کی ہیں خواہشیں
ہر دم وہی فروغِ شریعت کی کوششیں　　شوہر کے واسطے سے جہاں پر نوازشیں
جو کچھ تھا سب لٹا کے سنبھالا ہے دین کو
زہراؑ کی طرح گود میں پالا ہے دین کو

کہیئے انہیں مشیّتِ داور کا اعتبار　　گھر کی فضا میں چشمِ پیمبرؐ کا اعتبار
وہ صابرہ کہ صبر کے جوہر کا اعتبار　　وہ طاہرہ کہ سورۂ کوثر کا اعتبار
آتیں نہ یہ نبیؐ کے اگر خاندان میں
پھر نسلِ مصطفیٰؐ بھی نہ ہوتی جہان میں

مکّے کا قحط ہو کہ وہ ہو دعوتِ نبیؐ
طائف کا وہ سفر ہو کہ محصور زندگی
ہجرت کا کرب ہو کہ جفا غارِ ثور کی
دشمن سے جنگ ہو کہ قبیلوں سے دوستی
دنیا کے دبدبے سے نہ جاہ و جلال سے
نامِ خدا چلا ہے خدیجہؑ کے مال سے

تاریخ پر نظر ہو تو دیکھیں یہ اہتمام
پردے کے ساتھ ساتھ تجارت کا انتظام
دل میں نبیؐ کی چاہ، زباں پر خدا کا نام
اللہ رے اوج نسل میں معصوم یا امام
بیٹی ملی تو قلب کا ہر مدعا ملا
داماد بھی ملا تو وہ مشکل کشا ملا

ان کا خطاب اور ہے مریمؑ کا نام اور
ان کا شعار اور ہے سارہؑ کا کام اور
مانا کہ ہاجرہ کا ہے نقشِ دوام اور
لیکن ہے آمنہؑ کی بہو کا مقام اور
ان کے شرف کی گونج گئی اس کمال پر
خالق درود پڑھنے لگا ان کی آلؑ پر

کامل یقینِ حق ہے تو توہم نہیں کوئی
دل بحرِ بیکراں ہے تلاطم نہیں کوئی
جز امرِ کردگار تکلم نہیں کوئی
عصمت ہے چار سمت تصادم نہیں کوئی
شانِ نزولِ وحیِ خدا جانتی ہیں یہ
آوازِ جبرئیلؑ کی پہچانتی ہیں یہ

دخترکشی کی رسم کا قاتل زمین پر — یا ان کا خاندان تھا یا مصطفیٰؐ کا گھر
یہ خدمتِ جنابِ خدیجہؑ کا ہے اثر — اسلام کی پناہ بنا سیّدہؑ کا گھر
سمجھا دیا چمن میں کلی بھی شریک ہے
ورنہ کسی نبیؐ کا ہو بیٹی شریک ہے

ان کے سبب سے کتنے قبیلے ہوئے مطیع — ان کے کرم سے کتنی جبینیں ہوئیں رفیع
ان کے ہی فیض وجُود سے اسلام ہے وسیع — دختر ملی شفیع نواسے ملے شجیع
قائم کی ذات ان کی ہی گویا صفات ہیں
سب مر گئے جنابِ خدیجہؑ حیات ہیں

قدرِ نساء کا مکمل نصاب ہیں — یہ اک شعاعِ مہر نہیں آفتاب ہیں
روزِ حساب حق کے کرم کا سحاب ہیں — مانو انہیں یہ مادرِ امّ الکتاب ہیں
قرآں میں جو ذکر وفا پروری کا ہے
باتیں انہیں کی ہیں لب و لہجہ نبیؐ کا ہے

اِن کا شعار مرضیٔ داور کا آئینہ — ان کا عمل ہے خوئے پیمبرؐ کا آئینہ
ان کی نظر میں کیا ہے سکندر کا آئینہ — قرآں ہے انہیں کے مقدّر کا آئینہ
عزم و عمل انہیں کی ریاست کے باغ ہیں
انوارِ اہلِ بیتؑ انہیں کے چراغ ہیں

حق کی نگاہ میں ہے بڑی اِن کی آبرو
آیات کر رہی ہیں خدیجہؑ کی گفتگو
وہ اوّلیں نماز وہ پہلے پہل وضو
سجدوں کی آب گلشنِ اسلام کی نمو
کتنی عظیم منزلِ راز و نیاز ہے
شوہر کی اقتدا میں یہ پہلی نماز ہے

لاریب اس نماز کو کہیے متاعِ حق
بخشا اسی نماز نے تہلیل کا سبق
آواز دے رہا ہے یہ رنگِ رُخِ شفق
منّت کشِ خدیجہؑ ہیں تاریخ کے ورق
پیشِ نگاہ دینِ خدا کی بیاض ہے
زہراؑ کی گود میں بھی انہیں کا ریاض ہے

زینبؑ اسی ریاضِ خدیجہؑ کا ایک پھول
قلبِ علیؑ کی جان جگر گوشۂ بتولؑ
پیشِ نظر وہی ہیں مقاصد وہی اصول
کھولی جہاں میں آنکھ تو پیشِ نظر رسولؐ
سرمایۂ علیؑ ہے خدیجہؑ مقام ہے
زینبؑ دراصل سیرتِ زہراؑ کا نام ہے

عصمت سرشت اہلِ کِسا کی ہیں ترجماں
ہاشم کے خاندان کی نکھری ہوئی زباں
واقف نبوتوں سے امامت کی رازداں
ان کو سلام کرتی ہے اسلام کی اذاں
مثلِ حسنؑ حسینؑ یہ عفت نظیر ہیں
ماں ہے بتولؑ، باپ جنابِ امیرؑ ہیں

زہراؑ ہیں سب صفاتِ خدیجہؑ لیے ہوئے — زینبؑ ہیں پرتوِ دلِ زہراؑ لیے ہوئے
دل میں وقارِ باطنِ کعبہ لیے ہوئے — نظروں میں کربلائے معلیٰ لیے ہوئے
مقتل میں نسلِ مصطفویؐ کی معین ہیں
بعدِ حسینؑ امرِ خدا کی امین ہیں

یہ بات ہولناک بیاباں سے پوچھیے — سبطِ نبیؐ کے لاشۂ عریاں سے پوچھیے
بے وارثوں کے حالِ پریشاں سے پوچھیے — زہراؑ سے اور گنجِ شہیداں سے پوچھیے
اب صرف بے کسی کے خیالات پاس ہیں
سورج جو چھپ گیا تو اُجالے اداس ہیں

زینبؑ ہیں اور شامِ غریباں کا سامنا — بے پردگی گروہِ مسلماں کا سامنا
انسانیت کو دشمنِ یزداں کا سامنا — بچوں کا ساتھ گردشِ دوراں کا سامنا
کڑیل جواں پسرؑ بھی زباں کھولتا نہیں
زینبؑ بلا رہی ہیں کوئی بولتا نہیں

جلتے ہوئے خیام سے اٹھتا ہوا دھواں — آواز دے رہا ہے کہ اے رحمتِ جہاں
بے سر پڑے ہیں آپ کی امت کے میہماں — تپتی زمیں پہ بیٹھی ہیں زہراؑ کی بیٹیاں
مسند کے ساتھ خیمے کا پردا بھی جل گیا
اک بے زباں کا ننھا سا جھولا بھی جل گیا

بچے تڑپ تڑپ کے جو روتے ہیں بار بار
عابدؑ کا قلب اور بھی ہوتا ہے بے قرار
اٹھتے ہیں جب سنبھال کے وہ طوقِ خاردار
ماں بہنیں سر کھلے نظر آتی ہیں سوگوار
کہتے ہیں اے پھوپھی شبِ غم کی سحر تو ہے
اکبرؑ نہیں ہیں عابدِؑ خستہ جگر تو ہے

زینبؑ ہیں اور وصیتِ شبیرؑ کا خیال
جا جا کے پوچھتی ہیں بھتیجے سے اسکا حال
بکھرے ہوئے جو دیکھتی ہیں بیبیوں کے بال
کرتی ہیں جوشِ ضبط میں عباسؑ سے سوال
سمجھائیے یا حفاظتِ آلِ عبا کرے
کیا اب تمہارا فرض بھی زینبؑ ادا کرے

لائے تھے تم بہن کو بڑے اہتمام سے
کرتے تھے بات بھی تو بڑے احترام سے
تلوار کھینچ لیتے تھے غیرت کے نام سے
اب کیا ہوا پکار رہی ہوں میں شام سے
ایذا رسی پہ سارا جہاں ہے تلا ہوا
کیسے پڑھوں نماز کہ سر ہے کھلا ہوا

پیاسوں سے آج آنکھ ملاتے نہیں ہو کیوں
گھر لٹ رہا ہے تیغ اٹھاتے نہیں ہو کیوں
عابدؑ ہے بیڑیاں ہیں بچاتے نہیں ہو کیوں
عباسؑ اب فرات سے آتے نہیں ہو کیوں
گرنے لگیں گے خون کے آنسو تو آؤ گے
باندھیں گے اشقیا مرے بازو تو آؤ گے

یہ تیرگی یہ وشت، یہ سیدانیوں کے بین — مائیں تڑپ کے ڈھونڈ رہی ہیں جگر کا چین
طاقت نہیں سنوں جو یہ بچوں کا شور و شین — ہونٹوں پہ العطش کی جگہ اب ہے یا حسینؑ
بچے ڈرے ہوئے ہیں خود اپنے کلام سے
رہ رہ کے کانپ جاتے ہیں پانی کے نام سے

کس سے دلِ غریب کا اب مدعا کہوں — کس سے فسانۂ ستم اشقیا کہوں
کس سے حکایتِ غمِ آلِ عبا کہوں — عباسؑ دو جواب سکینہؑ سے کیا کہوں
جب سے تمہارا ساتھ چھٹا ہے اُداس ہے
معصوم سو گئی ہے مگر مشک پاس ہے

✻✻✻✻✻✻✻✻✻

زنجیرِ سفر

(در حالِ امام زین العابدینؑ)

۵۶

۱۹۸۷ء

زنجیرِ سفر

ایک زمانہ تھا جب ہمارے بعض ناقدین نے مرثیے کے حوالے سے یہ سوال اٹھایا تھا کہ اگر واقعاتِ کربلا کو تاریخی تسلسل کے ساتھ نظم کر دیا جاتا تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا ـــــ؟ ان ناقدین کا یہ مطالبہ چاہے مخلصانہ ہی ہو، مگر وہ مرثیے کی بعض اہم جہتوں کو نظر انداز کر رہے تھے۔ اوّل تو منظوم تاریخ میں اتنی سمتیں شاید ظاہر نہ ہو پاتیں، جو مرثیوں میں ملتی ہیں، مگر اس کے ساتھ ایک اہم چیز یہ بھی ہے کہ مرثیہ تو ایک نشست میں ان سامعین کے سامنے پڑھا جاتا ہے، جو ان واقعات سے بخوبی واقف ہیں۔ مرثیے میں کسی ایک شخصیت یا ان واقعات میں سے کسی ایک کڑی کو لے کر جزئیات نگاری کی جاتی ہے۔ مرثیہ گو کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ اس تمام صورتِ حال کو چاہے کسی رُخ سے دیکھیں، اس میں نور و ظلمت کی آویزش اور ایمانی اقدار کا سلسلہ پھیلتا ہوا دکھائی دے گا بلکہ کسی خاص مقامِ نظر یا امامؑ عالی مقام کے رفقا میں کسی ایک کے حوالے سے بعض منفرد جہتیں اور نمایاں ہو جائیں گی۔

جناب سیّد وحید الحسن ہاشمی کی شاعرانہ شخصیّت میں ان کی دینی حساسیّت کا مقام مرکزی ہے۔ ان کی اسلوبیاتی وضعوں میں دبستانِ لکھنؤ کی مخصوص مہارت نمایاں ہے۔ ان کی قدرتِ کلام قصیدہ نگاروں کی یاد دلاتی ہے اور مرثیے کے اساتذہ کے لہجوں کے جلال و جمال کو وہ اپنی پرشکوہ نواؤں میں ڈھالتے ہیں۔ مرثیے کے جدید رجحانات کے حوالے سے وہ اخلاقی اور اصلاحی لے کو بھی اُبھارتے ہیں۔ ان کے زیرِ تبصرہ مرثیے میں ان کے اسلوب کی یہ سبھی کیفیتیں نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر سہیل احمد خاں
شعبۂ اُردو
یونیورسٹی اورینٹل کالج ـ لاہور

زنجیرِ سفر

تکمیلِ سفر کیجیے زنجیرِ سفر سے آلام کا رُخ موڑیے زخموں کی سپر سے
دنیا کی نظر کاٹیے شمشیرِ نظر سے ظلمت کا گلا گھونٹیے مقتل کی سحر سے
یوں سجدۂ صد شکر ہو زنداں کی زمیں پر
تقدیس کا ہر نقش اُبھر آئے جبیں پر

اثنائے سفر پاؤں میں پڑ جائیں جو چھالے احساس کے سورج سے برس جائیں اُجالے
تلووں کا لہو درد کو یوں پیار سے پالے کانٹوں پہ قدم آئیں تو جبریلؑ سنبھالے
گردش کا عمل دیدۂ حیراں کی طرح ہو
ہر موجِ خلش تختِ سلیمانؑ کی طرح ہو

زنجیر کی جھنکار سناتی ہو مسلسل ناقص غمِ تقدیر ہے، تدبیر ہے اکمل
جو فخرِ یداللہ ہیں وہ ہاتھ ہیں افضل انساں کی ہتھیلی میں ہے کونین کی جدول
ہر سانس میں کردار کا اعجاز دکھا دے
بیمار ہو ایسا کہ مسیحا کو دوا دے

دیوارِ ستم سے نہ رُکے عزمِ مسافر ذرّوں کی ہو بارش تو رہے صبر پہ قادر
تپتے ہوئے صحرا پہ تفکّر نہ ہو ظاہر انگاروں پہ ہنس ہنس کے چلے دین کی خاطر
آزادیاں ہر حلقۂ زنجیر میں بھر دے
قیدی ہو مگر خضرؑ کو منزل کی خبر دے

نیزوں پہ ہو ہمراہ عزیزوں کے کٹے سر ناموس کے ہاتھوں میں رسنِ درد کا منظر
سائے کی جگہ سر پہ کڑی دھوپ کی چادر غیرت کی جوانی کا پسینہ ہو جبیں پر
جب یوں کوئی پابندِ مسافت نظر آئے
انسان کو معراجِ قیادت نظر آئے

برسائے فلک آگ جہاں روئے زمیں پر چہرہ ہو مسافر کا وہاں سورۂ کوثر
انگاروں کے صحرا میں جہاں عقل ہو ششدر ظاہر ہو وہاں ہمّتِ انساں کا سمندر
سیرابیٔ احساس وہ اعجاز دکھا دے
ٹپکے جو پسینہ تو وہیں پھول کھلا دے

کیا شے ہے دہکتے ہوئے ذرّات کا طوفاں خُلّت کا دوشالہ ہو تو کھلتا ہے گلستاں
جھلسائے گی کیا خاک اسے آتشِ دوراں بن جائے عبا جس کیلئے رحمتِ یزداں
گُل پاشیٔ رفتار پہ اتنا تو یقیں ہو
پڑ جائیں جہاں پاؤں وہیں خلدِ بریں ہو

زیبا ہے اسے خواہشِ تسخیرِ زمانہ   جو ضبط سے بدلے رخِ تدبیرِ زمانہ
پڑھتا ہے وہی گردشِ تحریرِ زمانہ   اک آہ سے جو کاٹ دے زنجیرِ زمانہ
ڈرتا نہیں وہ شخص مصائب کے سقر سے
جو تول لے دنیا کو پیمبرؐ کی نظر سے

مقصد ہو اگر ارفع و اعلیٰ تو سفرِ حق   منزل کا یقیں جس سے ہو پیدا وہ خبرِ حق
مانے جسے قرآن وہی راہ گزرِ حق   حق یہ ہے کہ معصوم کی ہر فکر ہے برحق
ظالم کی کمر توڑ دے مظلوم وہی ہے
عصیاں کی زباں کاٹ دے معصوم وہی ہے

پردیس میں جب آئے مسافر کو وطن یاد   جب صدق بیانی پہ ہنسے ظلم کی روداد
غالب ہو جہاں حوصلۂ شکر پہ فریاد   اسلام وہاں کہتا ہے یا سیّدِ سجّادؑ
جو دشمنِ جاں ہیں انہیں الفت کا سبو دے
کانٹوں کی زباں خشک ہے تلوؤں کا لہو دے

اسلام کی آواز پہ فطرت کا جریدہ   شخصیتِ سجّادؑ کا پڑھتا ہے قصیدہ
تحریر میں آتے ہیں وہ اوصافِ حمیدہ   خود کہتی ہے انسان سے ہر نظمِ شنیدہ
کہئے جسے اعجاز وہ توصیف یہی ہے
جبریلؑ بھی تھک جائیں وہ تعریف یہی ہے

آفاق میں سجدوں کا بھرم سیدِ سجادؑ — دنیا کے لئے ابرِ کرم سیدِ سجادؑ
ہاشم کے قبیلے کا حشم سیدِ سجادؑ — قدرت ہے بیاں زورِ قلم سیدِ سجادؑ
ہر رُخ سے محمدؐ کی سیادت میں ڈھلے ہیں
یہ وحیِ الٰہی کے سفینے میں پلے ہیں

محبوبِ خدا کے دل و جاں سیدِ سجادؑ — حیدرؑ کی جلالت کا نشاں سیدِ سجادؑ
قرآن ہے خاموش زباں سیدِ سجادؑ — کفّار کے نرغے میں اذاں سیدِ سجادؑ
آئینۂ اسلاف ہیں، نورِ ازلی ہیں
یہ اور نہیں اپنے زمانے کے علیؑ ہیں

تہذیب کی معراجِ نظر سیدِ سجادؑ — تقدیس کی تکمیلِ سفر سیدِ سجادؑ
نسلِ بنی ہاشم کا شجر سیدِ سجادؑ — شبیرؑ ہیں کعبہ تو گہر سیدِ سجادؑ
ایسا شہِ خوشخو کہ پسند آیا سبھی کو
یہ وہ عربی، ناز ہے جس پر عجمی کو

تدبیرِ عجم، فکرِ عرب سیدِ سجادؑ — صورت گرِ ہر علم و ادب سیدِ سجادؑ
تکوینِ دو عالم کا سبب سیدِ سجادؑ — ہمّت کا خدا بندۂ رب سیدِ سجادؑ
بے لوث عبادت کا اثر پوچھ لو اُن سے
جو غیب میں پنہاں ہے خبر پوچھ لو اُن سے

پابندِ مشیّت رہو پیغام ہے اُن کا
اُمّت کی جفاؤں پہ دُعا کام ہے اُن کا
اللہ سے مشتق ہے علی نام ہے اُن کا
ہم آج مسلماں ہیں یہ انعام ہے اُن کا
بندے جو شریعت کی زباں بول رہے ہیں
سجّادؑ کے سجدوں کے نشاں بول رہے ہیں

انسان کو معیارِ وفا ان سے مِلا ہے
اسلام کو عرفانِ بقا ان سے مِلا ہے
قرآں کو فصاحت کا مزا ان سے مِلا ہے
ہر دَور کے بندوں کو خدا ان سے مِلا ہے
حیدرؑ کی طرح نطق میں طاقت سمٹ آئے
یہ کہہ دیں تو ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے

آفاق میں یہ سبطِ پیمبرؐ کی دُعا ہیں
عقدوں کی ہے آواز کہ یہ عقدہ کُشا ہیں
معیارِ امامت ہیں، نبوّت کی ادا ہیں
یہ عینِ خدا، وجہِ خدا، دستِ خدا ہیں
صدموں میں کوئی یادِ خدا پُوچھ لے ان سے
زنجیر پہن کر بھی وفا پُوچھ لے ان سے

آلام رہے حضرتِ یوسفؑ کے مقابل
ماحول کی سازش سے پریشان رہا دل
تکذیب سے ہرگز نہ دبا جذبۂ کامل
لیکن ہے جدا یوسفِ شبّیرؑ کی منزل
زندان میں سجّادؑ وہ عصمت کا نگیں ہے
الزام تو کیا، جرأتِ الزام نہیں ہے

طِفلی میں ملا حیدرِؑ کرّار کا سایا
شبّیرؑ نے قناعت کا سبق ان کو پڑھایا
شبّیرؑ نے بھی صبر کا شہکار بنایا
زینبؑ نے بڑے پیار سے ہر ناز اٹھایا
کب اہلِ جہاں ان سے مراتب میں بڑھے ہیں
یہ سایۂ تطہیر میں پروان چڑھے ہیں

اسلاف میں دیکھو تو سبھی ضیغم و صفدر
ہاشمؑ سا اولوالعزم، محمدؐ سا پیمبر
ایمان کے دو مہر مبیں حمزہؑ و جعفرؑ
دادا اسداللہؑ ولی فاتحِ خیبر
باپ ایسا کہ اسلام کے گلشن کی نمو ہے
ماں ایسی کہ خاتونِ قیامت کی بہو ہے

خاتونِ قیامت کی بہو پیکرِ عفّت
فطرت میں بسائے ہوئے خوشبوئے عدالت
آغوشِ تجسس میں لئے جلوۂ وحدت
آئیں جو مدینے تو ملی عرش کی عظمت
تائیدِ من اللہ سے کامل نظر آئیں
شہزادی عادل تھیں تو عادل کے گھر آئیں

ڈالی سرِ اقدس پہ یداللہؑ نے چادر
شبّیرؑ سے وہ عقد، وہ معراجِ مقدّر
آنکھوں کی ضیا جلوہ گہِ سبطِ پیمبرؐ
انوار کی بارش ہوئی تاریخِ عجم پر
بانو نے شرف پایا ہے شبّیرؑ کے دم سے
مہتاب کو ضو مل گئی خورشیدِ حرم سے

انگشتری بانو ہیں نگیں سیّدِ سجّادؑ اقدارِ شرافت کے امیں سیّدِ سجّادؑ
فخرِ فلک و فخرِ زمیں سیّدِ سجّادؑ دو ملک کی تہذیب حسیں سیّدِ سجّادؑ
اس طرح کے انداز بہت کم نظر آئے
اک پھول میں خوشبو کے دو عالم نظر آئے

کسریٰ کی عدالت، بنی ہاشم کی شجاعت سجّادؑ کی رگ رگ میں ہے دونوں کی صداقت
اک ہاتھ میں دنیا کو الٹ دینے کی قوّت اک ہاتھ میں وحدت کا عَلم بارِ امانت
یہ تاب و تواں شام کے بازار سے پُوچھو
دربار میں زنجیر کی جھنکار سے پُوچھو

یادِ غمِ شبّیرؑ سے پلکوں پہ چراغاں زخموں کی طرح کیفیتِ شامِ غریباں
تکمیلِ وَفا کر گئے عاشور کے مہماں اب سیّدِ سجّادؑ تھے اور صبر کا میداں
ہلچل ہوئی دربار میں انداز و ادا سے
حاکم کا جگر کاٹ دیا تیغِ دُعا سے

حاکم کی یہ خواہش تھی کہ سب کر لیں زباں بند مخلوق کی تبلیغ ہو خالق کی اذاں بند
کُھل جائے خوشامد کی دکاں کارِ جہاں بند غوغا ہو حکومت کا امامت کا بیاں بند
خوں پی لیا ظالم نے بہتّر شہدا کا
اک وار مگر سہہ نہ سکا تیغِ دُعا کا

تاریکیٔ شب اور وہ سجّادؑ کی آہیں　　دشمن کے لئے بھی وہ ہدایات کی راہیں
ہر خستہ و بیمار پہ الفت کی نگاہیں　　زخمی کے لئے مرہمِ احساس کی باہیں
جب دین مٹانے سگِ دنیا نکل آئے
یہ مثلِ نبی لے کے صحیفہ نکل آئے

جس دَور میں ہو صدق بیانی کی سزا موت　　تشہیر جفاؤں کی ہو، کہلائے وفا موت
احکامِ بشر زیست ہوں، احکامِ خدا موت　　جب آلِ پیمبرؐ کیلئے قید ہو یا موت
اس دَور میں شمشیر نہ خنجر نہ وغا ہے
دنیا کی ہدایت کے لئے صرف دُعا ہے

اس واسطے سجّادؑ نے یہ تیغ اٹھائی　　منظور تھی افکارِ مسلماں کی بھلائی
مومن پہ اگر کوئی مصیبت کبھی آئی　　ہو سکتی ہے ہر دل میں دعاؤں کی رسائی
حاکم کی نظر دل کی اداؤں پہ نہیں تھی
تقریر پہ بندش تھی دعاؤں پہ نہیں تھی

سجّادؑ کا گریہ بھی نہیں ضعفِ ارادہ　　یہ چُپ رہے صدمہ ہوا جس وقت زیادہ
خود آپ نے منظور کیا صبر کا جادہ　　ورنہ عَلَوی غیظ کا کرتے جو اعادہ
رستہ بھی نہ ملتا کہیں مغرور سروں کو
رہ جاتے سمیٹے ہوئے جبریلؑ پروں کو

مقصود یہ تھا فوت نہ ہو دین کا مقصد
اُلجھے نہ کبھی سلسلۂ نگراب و جد
محفوظ ہو ہر طرح سے اسلام کی سرحد
قرآں سے جدا ہو نہ کبھی آلِ محمدؐ
طوفانِ حوادث میں کبھی رُک نہیں سکتا
مر سکتا ہے سجادؑ مگر جُھک نہیں سکتا

سجادؑ کا مقصد تھا کہ ہوں کذب و ریا ختم
بے جرم کو ملتی ہے جو ناگفتہ سزا ختم
قرآن کے تفہیم کی خود کار فضا ختم
ذہنوں نے بنائی ہے جو تصویرِ خدا ختم
خود ساز حدیثوں کے اداروں کے ہوں دَر بند
جو مومن و کافر کو کہے ایک نظر بند

یہ مِلّتِ اسلام کے کیسے ہیں بہی خواہ
یہ سچ ہے الگ قوم کا ان کی ہے الگ راہ
پابندِ عدالت نہ شریعت سے ہیں آگاہ
دل پیروِ ابلیس، زبانوں پہ ہے اللہ
سب کچھ انہیں معلوم ہے، انجان نہیں ہیں
اسلام کی حد میں ہیں مسلمان نہیں ہیں

سجادؑ پہ بے حد تھی گراں دہر کی حالت
تھی شام میں محصور مدینے کی قیادت
اشراف پہ وہ فاسق و فاجر کی حکومت
سازش سے بگاڑی ہوئی اسلام کی صورت
کیا حال ہو اُن کا یہ ستم جن پہ پڑے ہوں
مسند پہ لعیں بیٹھے ہوں سجادؑ کھڑے ہوں

سجادؑ سمجھتے تھے کہ عیار ہے دشمن گفتار کے پردے میں ہے کردار کا رہزن
اسلام تو ہونٹوں پہ ہے دل کفر کا دامن تا حدِ حکومت ہے زر و مال کا دامن
ذہنوں میں بھری نسل پرستی کی ہوا ہے
ہر شخص کا اک اپنا نبی، اپنا خدا ہے

یہ فکر تھی وحدت کے شہیدوں کیلئے ننگ صحرا میں ہوئی شام و مدینہ کی فقط جنگ
قربانیاں دینے سے بھی بدلا نہ کوئی رنگ اک آئینہ تھا ٹوٹ گیا جیت گیا سنگ
احسن نہیں اقدام یہ دنیا کی نظر میں
شبیرؑ نے خود آپ کو ڈالا ہے خطر میں

سجادؑ نے ہر درد بھرے دل سے یہ پوچھا کیا اپنے حرم بھی کوئی میدان میں لایا
دل ہے تو کوئی باپ بتا دے مجھے اتنا کس جنگ میں آیا کوئی بچہ کوئی جھولا
تاریخ سمجھتی ہے مفاداتِ عدو کو
ہر دور کے قاتل نے چھپایا ہے لہو کو

شبیرؑ نے خود نفس کو خطرے میں نہ ڈالا اسلام کی عظمت کو ضلالت سے نکالا
انسان کو پہنا کے تقدس کا دوشالا جلتے ہوئے خیموں میں نئی نسل کو پالا
تم کہتے ہو مقتول حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
تلوار تو اسلام کی گردن پہ چلی ہے

شبیرؑ کا خیمہ نہیں، یہ گھر ہے خدا کا ہے خانۂ زہراؑ کی زمیں عرشِ معلّےٰ
زینبؑ کو نہیں، چادرِ تطہیر کو لوٹا اصغرؑ نہیں، تڑپا ہے محمدؐ کا کلیجا
میداں میں جو برچھی صفِ اعدا سے چلی ہے
اکبرؑ نہیں، قرآن کے سینے میں لگی ہے

مقتل میں جو تھا مقصدِ شبیرؑ وہی ہے آلودہ بخوں نقش ہیں تصویر وہی ہے
بکھرے ہوئے قرآن کی تفسیر وہی ہے خاموش دعائیں ہوئیں تاثیر وہی ہے
ذرّوں سے سمندر کی روانی نہ رُکے گی
اے روکنے والو یہ کہانی نہ رُکے گی

ہر ظلم کا انجام ہے ظالم کی تباہی جاگے گا جب انساں تو بکھر جائے گی شاہی
چھو سکتی نہیں نور کو ظلمت کی سیاہی میزان کی عظمت ہے فقط عدلِ الٰہی
تہذیب کے ہر دور میں بدنام رہے گی
ہو گی نہ وہاں صبح، جہاں شام رہے گی

سجادؑ کو یہ فکر کہ بیدار ہو انساں دنیا میں کرے حریتِ فکر کا ساماں
ہر عہد میں کہلائے حقیقت کا نگہباں جاہل کی قیادت سے مسلسل ہو گریزاں
تاریکیوں میں جس کا عمل رشکِ سحر ہے
وہ امرِ الٰہی کی نگاہوں میں اَمر ہے

شبیرؑ کے مقصد کا اثر ختم نہ ہو گا دنیا سے کبھی علم کا در ختم نہ ہو گا
قرآن کا خاموش سفر ختم نہ ہو گا یہ گھر ہے محمدؐ کا یہ گھر ختم نہ ہو گا
زردار کی محفل سے نہ بے زر کی گلی سے
اسلام ملے گا تو حسینؑ ابنِ علیؑ سے

شاید یہ سمجھتا ہے یزید ستم آرا اولادِ پیمبرؐ کا نہیں کوئی سہارا
بہتا ہے حکومت کی طرف وقت کا دھارا وہ لوگ فنا ہو گئے، اِس نے جنہیں مارا
لیکن خبرِ شاہِ ہدا مِٹ نہیں سکتی
سجادؑ کے ہونٹوں کی دُعا مِٹ نہیں سکتی

جس بزم میں مقتول کا چھڑتا ہے فسانہ قاتل کو بھلا کرتا ہے وہیں یاد زمانہ
مقتول کا خوں جب کبھی لیتا ہے نشانہ کام آتا ہے قاتل کے نہ لشکر نہ خزانہ
عالم میں یہی فیصلۂ اہلِ خبر ہے
جو مار کے پچھتائے وہ قاتل کی نظر ہے

خاموشیٔ سجادؑ نہیں فکر کی پستی کیا ان کے مقابل کسی فرعون کی ہستی
یہ ہاتھ اُٹھا لیں تو تنزل میں ہو بستی کچھ بھی نہیں مغرور شہنشاہوں کی مستی
پڑ جائے جو ہلکی سی شکن ان کی جبیں پر
افلاک سے جبریلؑ اُتر آئیں زمیں پر

ظالم یہ سمجھتا ہے کہ سجادؑ ہے مجبور گفتار کی قوت بھی ہوئی جسم سے کافور
وہ جذبۂ اظہارِ سیادت بھی ہُوا دُور ممکن نہیں ٹھکرائے وہ اَب شام کا منشور
جس کا کوئی ثانی ہی نہیں ارض و سما میں
وہ شیر ہے جکڑا ہوا زنجیرِ بلا میں

سجادؑ نے اس فکر کے جادُو پہ کیا وار دیکھا سُوئے حاکم تو لرزنے لگا دربار
شبیرؑ کے چہرے پہ نظر لب پہ یہ گفتار زنجیر ہلائی تو ہلا مجمعِ کفار
حاکم کا کوئی حکم نہ منشور چلے گا
اب دہر میں عاشور کا دستور چلے گا

بیمار نے کچھ سوچ کے چتون جو چڑھائی سوُرج نے سُنی چرخِ چہارم کی دُہائی
تصویر کا گھر چھوڑ کے صورت نکل آئی انگڑائیاں لینے لگی رہ رہ کے کلائی
اس طرح جلال آیا تھا سجادؑ حزیں کو
زینبؑ جو نہ ہوتیں تو اُلٹ دیتے زمیں کو

زینبؑ نے کہا صبر ہی لازم ہے مرے لالؑ دل تھام کے پوچھو تو سکینہؑ کا ذرا حال
کانوں کا لہو پوچھ دو مِل جائے جو رُومال سر اپنا جھکائے ہے کہ چھوٹے ہیں ابھی بال
رسّی سے گلا گھٹتا ہے تکلیف بڑی ہے
یہ آپ نہیں، میرے سہارے سے کھڑی ہے

دل پھٹتا ہے سنتی ہوں جو معصوم کراہیں　　معصوم کراہوں میں قیامت کی ہیں آہیں
ہٹتی ہی نہیں باپ کے چہرے سے نگاہیں　　یہ کہہ کے اٹھاتی ہے کبھی ننھی سی باہیں
آ جائیے دامن کی ہوا دیجیے بابا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا دیجیے بابا

بچی نے بھری بزم میں ہلچل سی جو ڈالی　　گھبرا گئی ماں درد سے اک آہ نکالی
سجاد نے رُخ پھیر کے زنجیر سنبھالی　　فرمایا کہ اے جانِ اخی نازوں کی پالی
بھائی نے تحمل سے ہر اک ظلم سہا ہے
گردن کا لہو دیکھ لو تلوؤں سے بہا ہے

بھائی کے لئے میری بہن روک لو فریاد　　عمو کو کرو یاد نہ بابا کو کرو یاد
افسوس کہ تاریخ سنائیگی یہ روداد　　پایا نہ کفن باپ نے زندہ رہا سجادؑ
غم اس کا نہیں پاؤں میں زنجیر پڑی ہے
غم یہ ہے پھوپھی مجمعِ اعدا میں کھڑی ہے

بھائی کی اس آواز پہ چپ ہو گئی بچی　　لیکن سرِ دربار اک آواز یہ گونجی
مل جائے یہ معصوم مجھے بہرِ کنیزی　　اب چہرۂ اسلام تھا اور غیظ کی سرخی
زورِ شہِ مرداں کے سب آثار جلی تھے
زنجیروں میں قیدی نہیں خیبر میں علیؑ تھے

دربار میں گونجی ہوئی آواز کو روکا　　طوفان کا رخ موڑ کے حالات کو بدلا
اک آہ بھری اور سرِ شبیرؑ سے پوچھا　　اب کیسے کروں صبر بتا دیجیے بابا
یہ شدتِ غم بعد یتیمی تو نہیں ہے
محضر میں سکینہؑ کی کنیزی تو نہیں ہے

سلام

اب تا ابد کتابِ خدا لازوال ہے
قرآن کی زبان محمدؐ کی آل ہے

نامِ علیؑ پہ گر کے سنبھلنے کا ذکر کیا
لے لے علیؑ کا نام تو گرنا محال ہے

بے شیر نے کیا ہے جو ہنس کر سوال آب
یہ تو یزیدیت کی اجل کا سوال ہے

دونوں جہاں میں یا تو علیؑ کی مثال لا
یا پھر یہ مان لے کہ علیؑ بے مثال ہے

کھنچی ہے تیغِ ثانیِ حیدرؑ فرات پر
روح الامینؑ آج کہو کیا خیال ہے

عالم میں کربلا کی زمیں ہے جو لالہ زار
یہ خاک کا نہیں، یہ لہو کا کمال ہے

عباسؑ سے جدا تو سکینہؑ ہوئی مگر
اب مشک سے علم کی جدائی محال ہے

سرکارِ وفا

(درحالِ حضرت عباس علمبردار؏)

(۶۱)

سنہ ۱۹۸۸ء

سرکارِ وفا

سیّد وحید الحسن ہاشمی صاحب اردو مرثیہ نگاروں میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں قدیم و جدید رنگ کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ انہوں نے حضرت عباسؑ کے اس مرثیہ میں ان کے تمام اوصاف کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ ان کا ایک پیکرِ جمیل و عظیم اس طرح اُبھر کر ہمارے سامنے آتا ہے کہ اس میں عظمت، نجابت، شرافت، سعادت، سیادت، صداقت، عدالت، امانت، اطاعت، شجاعت، بسالت اور مؤدت و امامت کی چنگاریاں شعلۂ جوالہ بن کر ایک مومن کے دل کو منوّر کرنے لگتی ہیں۔ اس مرثیہ کو پڑھنے والا ان اوصاف سے کچھ اس طرح اَثر قبول کرتا ہے کہ وہ بھی حضرت عباسؑ کی طرح کفر و ضلالت سے ٹکرا کر مقامِ شہادت حاصل کرنے کا متمنّی نظر آتا ہے۔

سیّد وحید الحسن ہاشمی صاحب نے الفاظ کے انتخاب میں بڑی فنکاری سے کام لیا ہے۔ چونکہ انہیں زبان پر پوری قدرت حاصل ہے، اس لئے ہر ہر بند میں الفاظ کی مرقع کاری قدم قدم پر اپنے نقوش اس طرح ثبت کرتی چلی جاتی ہے کہ جنگ کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ قاری سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، بلکہ وہ خود بھی اس جنگ میں شریک ہے اور حضرت عباسؑ کی راہ کو اپنا کر اپنے لئے توشۂ آخرت تیار کر رہا ہے۔

ڈاکٹر عبید اللہ خان
شعبۂ اُردو
یونیورسٹی اورینٹل کالج — لاہور

سرکارِ وفا

وفا ہے سلطنتِ حق نظام ہے عباسؑ　　زباں ہے دینِ پیمبرؐ کلام ہے عباسؑ
سرورِ حمد ہے جس میں وہ جام ہے عباسؑ　　حسینیتؑ کے تحفظ کا نام ہے عباسؑ
بزورِ صبر یہ منوا لیا زمانے سے
فرات ہار گئی مشک کے دہانے سے

حسینؑ بدرِ مشیّت ہلال ہے عباسؑ　　کوئی جواب تو لائے سوال ہے عباسؑ
یہ ضبطِ نفس علیؑ کا کمال ہے عباسؑ　　دعا سے پوچھیئے زہراؑ کی آل ہے عباسؑ
سمجھ میں بات بہ عنوانِ کربلا آئی
کِھلا یہ پھول تو خوشبوئے مصطفیٰؐ آئی

شجاعتِ شہِ مرداں کا نور ہے عباسؑ　　فرازِ کوہِ عمل شمعِ طور ہے عباسؑ
خدا پسند وفا کا غرور ہے عباسؑ　　حسینؑ ذہنِ نبوّتؐ شعور ہے عباسؑ
شرف کی منزلیں اس رہنما کی راہ میں ہیں
تمام آئتیں عباسؑ کی نگاہ میں ہیں

نہالِ شرعِ پیمبرؐ، گلاب ہے عباسؑ — جو خوشبوؤں نے لکھا وہ نصاب ہے عباسؑ
ہلیں نہ لب، وہ اطاعت مآب ہے عباسؑ — ضمیرِ آلِ عبا کا شباب ہے عباسؑ
دعائے فاطمہؑ سے بالیقین زندہ ہیں
اس ایک بیٹے سے ام البنین زندہ ہیں

شرافتِ ابو طالبؑ کا ناز ہے عباسؑ — کھلا جو قلبِ علیؑ پر وہ راز ہے عباسؑ
نشیب سارا زمانہ، فراز ہے عباسؑ — یہ زندگی ہے مصلّا نماز ہے عباسؑ
ادائے فرض پہ اُٹھ اُٹھ کے احترام کیا
اسی نماز کو سجّادؑ نے سلام کیا

چمن ہے اجرِ رسالتؐ بہار ہے عباسؑ — عمل ہے نخلِ امامت نکھار ہے عباسؑ
نبیؐ کے اہلِ حرم کا حصار ہے عباسؑ — حسینؑ حاکمِ دیں اختیار ہے عباسؑ
یہ اختیار اگر ضبط میں نہ ڈھل جاتا
تمام نقشۂ کرب و بلا بدل جاتا

ریاستِ ابدی کا رئیس ہے عباسؑ — برائے مجلسِ عصمت جلیس ہے عباسؑ
مقربیں آئتیں طبع نفیس ہے عباسؑ — ورق ہے دین۔ شہادت نویس ہے عباسؑ
لبِ فرات جو رودادِ آب لکھی ہے
کٹا کے ہاتھ وفا کی کتاب لکھی ہے

اسی ادیب میں زورِ بیانِ حیدرؑ ہے — اسی خطیب میں لطفِ زبانِ حیدرؑ ہے
اسی کے دوش کی زینت نشانِ حیدرؑ ہے — حسینؑ جانِ نبیؐ ہیں، یہ جانِ حیدرؑ ہے
وہ کیوں رہینِ طلب ہو کسی سند کے لئے
امام جس پہ بھروسہ کرے مدد کے لئے

یہ رشکِ جلوۂ دنیا، یہ دین کا مہتاب — یہ آسماں کی تجلّی، زمیں کا مہتاب
یہ آفتاب نما طاہرین کا مہتاب — اسی کو کہتے ہیں اُمّ البنین کا مہتاب
یہ پاسباں ہے محمدؐ کے آستانے کا
حسینؑ کہہ دیں تو رُخ پھیر دے زمانے کا

وہ ماجرائے اطاعت لکھا سرِ مقتل — سلام کرتی ہے ایوانِ فکر کی مشعل
بساطِ آب پہ دے کر اذانِ فتحِ عمل — علیؑ کے لال نے تحریر کی شکستِ اجل
اُٹھی جو پیاسے کے آگے وہ لہر ڈوب گئی
فراتِ شرم کی موجوں میں نہر ڈوب گئی

نگاہ میں اسدُاللہ کا جلال بھی ہے — فنونِ جنگ ہوں قرباں وہ کمال بھی ہے
فروغِ حق کے لئے خواہشِ قتال بھی ہے — حسینؑ اکیلے نہ رہ جائیں یہ خیال بھی ہے
اس امتزاجِ عمل کا کہیں جواب نہیں
یہ بیڑیاں ہیں اطاعت کی اضطراب نہیں

دماغ عرش ہے اسلام کی صداؤں کا ضمیر بحر ہے قرآن کی نواؤں کا
مجسمہ ہے شجاعت کی سب اداؤں کا یہ ایک لال ہے دو دلفگار ماؤں کا
یہ انتہائے شرف منتہی پہ اترا ہے
یہی صحیفہ تو نفسِ نبیؐ پہ اترا ہے

نظر نظر ہے محبت کی آیتوں کا جمال قدم قدم ہے مودّت کی روشنی کا سوال
درست ہے قدِ عظمت پہ آسماں کی مثال نہیں امام مگر ہر طرح امام خیال
فدا ہوں جن پہ فرشتے وہ سب ادائیں ہیں
بدن پہ دامنِ معصوم کی ہوائیں ہیں

جہاں قرارِ امامت ہے مستقر ہے وہی خدا کے شیر کی آغوشِ معتبر ہے وہی
ملائکہ نے جہاں سر جھکایا دَر ہے وہی جہاں چراغِ حدیثِ کسا ہے گھر ہے وہی
اسی فضا میں رسولِؐ فلک مقام بھی ہے
یہاں امامؑ بھی ہے، بازوئے امام بھی ہے

بھری خدا نے جو اُمّ البنینؑ کی آغوش یقیں کو مل گئی حق الیقین کی آغوش
چمک اُٹھی دُرِ ایماں سے دیں کی آغوش ستارے دیکھنے آئے زمیں کی آغوش
دعاؤں کے ثمرِ انتخاب کو چوما
ابوترابؑ نے اپنے شباب کو چوما

وہ خانۂ اسد اللہ میں ولی کا وُرود — لبِ حیات کی زینت ہوئی صدائے درود
حسینؑ دیکھ کے بولے جبینِ نو مولود — ملی ہیں آج اطاعت گزاریوں کی حدود
جہاں میں فاتحِ خیبر مزاج آیا ہے
مرے علم کا علمدار آج آیا ہے

خدا کے شیر نے تیور جو لال کے دیکھے — خوشی کے اشک رخِ ماہتاب پر ٹپکے
پسر کے ننھے سے ہاتھوں کو دیکھ کر بولے — علیؑ کا نام بڑھے گا انہیں کی قوت سے
یہ ہاتھ عقدہ کشا ہیں نگاہِ حیدرؑ میں
یہ کام آئیں گے کرب و بلا کے خیبر میں

مگر یہ فکر علیؑ کو کہ پرورش کا نظام — کچھ اس طرح سے ہو ماموم سے الگ ہو امام
حسنؑ حسینؑ ہیں ختم الرسلؐ کے عرش مقام — مجھے ہو فخر جو عباسؑ کو کہیں یہ غلام
یہ مہ لقا مرے ارماں کی انتہا چومے
نبیؐ کے دونوں نواسوں کے نقشِ پا چومے

اسی فضا میں ہیں موجود زینبؑ و کلثومؑ — فرازِ عرش کو ہیں ان کی عظمتیں معلوم
سعادتوں کا ہے ہر وقت انکے گرد ہجوم — انھیں کی راہ میں آنکھیں بچھا رہے ہیں نجوم
کوئی مقام ہو دنیا کا کچھ بھی حال رہے
بس ان کے پردے کا عباسؑ کو خیال رہے

اسی اصول پہ پالا گیا وہ ماہِ عرب — سکھائیں ماں نے بڑے پیار سے حدودِ ادب
بٹھا دی باپ نے ننھے سے دل میں عظمتِ رب — نبیؐ کا ذکر سناتی تھیں گود میں زینبؑ
ذرا سی عمر میں تعلیم کیف و کم دے دی
جو غیظ دیکھا تو شبیرؑ کی قسم دے دی

شجاعتِ نسبی جرأتِ پدر سے ملی — جگر میں شعلگی ماں کے قوی جگر سے ملی
عنانِ ضبط جو شبیرؑ کی نظر سے ملی — نجابتوں کی ادا فاطمہؑ کے گھر سے ملی
بہر خیال رہا تذکرہ صداقت کا
مزاج بن گیا فدا مرضیِ امامت کا

نفس نفس پہ عبادت کی آب و تاب ملی — قبولیت درِ زہراؑ کے ہمرکاب ملی
حصارِ عدل میں خوئے ابوترابؑ ملی — نظر تھی پاک تو تطہیر کی کتاب ملی
کمالِ ذوق سے آیاتِ زیست پڑھنے لگے
ہوا جو پائی امامت کی اور بڑھنے لگے

بڑے اصول کی حد میں اصول کی باتیں — نفیس رنگ میں نفسِ رسولؐ کی باتیں
حسیں دماغ تو حسنِ قبول کی باتیں — زبانِ اہلِ کسا اور بتولؑ کی باتیں
عجیب جلوۂ حق آگہی کا ساماں ہے
ہزار رحلِ عقیدت پہ ایک قرآں ہے

نظر کے سامنے ذکرِ خدا خدا والے — چُنے ہوئے وہ مشیت کے مرتضیٰؑ والے
پیمبروں کی اداؤں میں مصطفیٰؐ والے — لئے ہیں سائے میں دونوں جہاں کساؑ والے
لبوں پہ حرف نقوشِ وفا کی باتیں ہیں
خدا کے بعد فقط کربلا کی باتیں ہیں

فضائے خانۂ زہراؑ میں ثانیٔ زہراؑ — کہ جیسے زینتِ آیات آیتِ کبریٰ
وہ تربیت کی منازل میں ابنِ شیرِؑ خدا — زبانِ فاطمہؑ کربلا سے درسِ رضا
وہاں پہ سامنے آئی یہ منزلِ عباسؑ
امینِ شانِ حرم بن گیا دلِ عباسؑ

حصارِ عفت و عصمت میں پل رہا تھا وہ شیر — حدِ وفا تھی معیّن سنبھل رہا تھا وہ شیر
خدا کے شبیر کی ایما پہ چل رہا تھا وہ شیر — مفادِ ذات سے آگے نکل رہا تھا وہ شیر
بنا رہے تھے ارادے قضا سے کھیلے گا
یہ فوجِ شام سے تنہا لڑائی لے لے گا

فلک سے کرنے لگا بات مطلب کا حشم — نظامِ جبر کا نظم و نسق ہوا برہم
شعورِ وقت بڑھا گھٹ گیا نفاق کا دم — زمیں پہ گرنے لگے خود منافقت کے صنم
ہلی زمین تحیّر میں آفتاب آیا
یہ زلزلے نہیں عباسؑ کا شباب آیا

یہ کیا جوان ہوئے خود وفا جوان ہوئی — امیدِ قلبِ شہِ لافتا جوان ہوئی
جہاں میں بنتِ نبیؐ کی دعا جوان ہوئی — یہ کیا جوان ہوئے کربلا جوان ہوئی
کرے گا فخر جہاں ان کی کامرانی پہ
یہ اپنا عہدِ جوانی لکھیں گے پانی پہ

عرب کی تیغ کو اک اور افتخار ملا — علیؑ کو اپنی شجاعت کا شاہکار مِلا
حسنؑ کو جبر کے ماحول میں قرار مِلا — حسینؑ خوش ہوئے بازو کا اعتبار مِلا
لحد میں سوئیں گی بنتِ رسولؐ چین سے اب
بہک کے بات تو کرلے کوئی حسینؑ سے اب

عیاں ہے سارے جہاں پر ولید کی دعوت — سوال۔ پردہ شب میں حسینؑ سے بیعت
اِدھر حسینؑ کا کہنا کہ ہے مضر عجلت — زباں پہ آگئی مروان کے اُدھر نیّت
ہُوا جو تیز ذرا قلزمِ بیانِ حسینؑ
جھپٹ کے آگئے ساحل پہ خادمانِ حسینؑ

قریب تھا کہ مدینے کے بام و دَر نہ رہیں — کہ یہ جسم پہ بدنیتوں کے سر نہ رہیں
جہاں جہاں بھی ہیں بدگوئیاں وہ گھر نہ رہیں — زباں دراز فصیلِ حیات پہ نہ رہیں
فضا میں غل تھا کہ ہاشم کی آل زندہ ہے
علیؑ نہیں ہیں، علیؑ کا جلال زندہ ہے

حسینؑ دیکھ کے عباسؑ کی نظر کا جلال سمجھ گئے کہ ہوا نظمِ سلطنت پامال
بلا کا غیظ ہے چمکی کہیں جو تیغِ ملال دکھائی دیں گے نہ دنیا کو سازشوں کے یہ جال
میں کس طرح سے کروں خون اس کی خواہش کا
یہ پہلا دن ہے اطاعت کی آزمائش کا

مگر نبیؐ کی فراست کا مقتضا تھا یہی کہ چشم پوشی اعمال کی صفت ہے بڑی
ولید ہے تو سزاوارِ سرزنش پھر بھی کہے نہ خلق لڑائی میں ہم نے سبقت کی
حسینؑ تھے جو دلِ بوتراب کے آگے
قمرؑ کی ضو نہ بڑھی آفتاب کے آگے

یہ سانحہ ہے مگر اس کے دیکھیے آثار ذلیل ہو گیا کتنا یزید کا کردار
ملا زمانے کو سرور کا یہ اٹل معیار کہاں پہ جنگ ضروری کہاں پہ جنگ ہے عار
امامِ وقت رضا دے تو پھر فساد نہیں
رضا نہ دے تو فقط جنگ ہے جہاد نہیں

اسی اصول پہ عباسؑ گامزن تھے مدام ادائے فرض رہا زندگی میں حکمِ امامؑ
سنا جو دشتِ جفا میں یزید کا پیغام نہ ہوں فرات سے ملحق دلِ نبیؐ کے خیام
دھواں سا دل سے نکلنے لگا جوانی میں
رضا جو ملتی لگا دیتے آگ پانی میں

محاذِ صبر تھا پیشِ نگاہِ سرورِ دیں　　محاذِ ضبط پہ عباسؑ کا جگر تھا حزیں
نظر حسینؑ پہ دل بنتِ فاطمہؑ کے قریں　　قدم میں جوش تھا اتنا کہ ہل رہی تھی زمیں
کہا زمانے میں یہ جرأتِ سوال نہیں
مرے امامؑ کے خیمے ہٹیں مجال نہیں

ملے جو حکم چکھا دوں مزہ جسارت کا　　ملا دوں خاک میں سب طنطنہ حکومت کا
عیاں ہو نہر پہ منظر ابھی قیامت کا　　بزورِ تیغ مٹا دوں سوال بیعت کا
معینِ فکرِ حسینیؑ ہوں انقلابی ہوں
مجھے کچھ اور نہ سمجھو میں بوترابیؑ ہوں

مری نظر میں دھواں ہے یہ لشکروں کا ہجوم　　مجھے ہیں اِن کے بڑوں کی حقیقتیں معلوم
نبیؐ کے چاند سے لڑنے چلے ہیں نحس نجوم　　کہاں یہ شام کے میخوار اور کہاں معصوم
انہیں خبر نہیں اک جاں نثار زندہ ہے
ابھی حسینؑ کا خدمت گزار زندہ ہے

ندا یہ دی کہ شغالو قریب آؤ تو　　جو سورما ہیں زمانے کے ان کو لاؤ تو
فنونِ حرب کے انداز کچھ دکھاؤ تو　　لو اس لکیر سے آگے قدم بڑھاؤ تو
مزہ تو جب ہے کہ لشکر کی یوں صفائی ہو
یہاں حسام چلے شام میں دہائی ہو

کبھی حسینؑ کے اصحاب سے کہا شیرو   جہادِ سیف کا وقت آگیا کمر کس لو
ہے چیونٹیوں کی مہم روک لیں سلیماں کو   چلو لہو میں نہا کر نمازِ شوق پڑھو
خزاں کے بن میں شجاعت کے پھول دیکھیں گی
تمہارے حوصلے بنتِ بتولؑ دیکھیں گی

حسینؑ بھانپ گئے وقت کے اشاروں کو   کہا کہ اے مرے صفدر مرے قریب آؤ
خبر ہے شامیوں کو اشجعِ عرب تم ہو   ہوا سے تیز بھاگیں تم اک قدم جو بڑھو
تمہارے خون میں مغلوبیت کا طور نہیں
ابو ترابؑ کے بیٹے ہو کوئی اور نہیں

انہیں ہے یاد وہ صفین و نہروان کی جنگ   علیؑ کی تیغ نے توڑی ہے انکے دل کی امنگ
عیاں ہے انکی جبینوں سے وہ شکست کا رنگ   نشانِ فتح تھا اسلام عقلِ کفر تھی دنگ
ہماری جنگ ہو حق کے ثبات کی خاطر
کہے نہ کوئی لڑے ہم فرات کی خاطر

تمہارے جوشِ عقیدت کا ہے مجھے احساس   تمہاری وجہ سے مضبوط ہے وفا کی اساس
تمہارے دم سے ہے بیدانیوں کے قلب کو آس   تمہیں تو میرے ارادوں کی تیغ ہو عباسؑ
علیؑ کی رُوح کا تم کو سلام آئے گا
یہ ضبطِ غیظ کسی وقت کام آئے گا

وہ وقت آگیا عاشور کو سرِ میداں — علیؑ کے شیر نے اونچا کیا علیؑ کا نشاں
کلائیوں میں قیامت نگاہ شعلہ فشاں — سکینہؑ پڑھتی تھی نادِ علی تو دل تھا جواں
تمام درد بھری کائنات کو دیکھا
پڑھا بھتیجی کا چہرہ فرات کو دیکھا

حصولِ آب کی شبیرؑ دے چکے ہیں رضا — دلِ جری پہ مگر آسمان ٹوٹ پڑا
کمر سے تیغ گئی غیظ ضبط میں بدلا — عدو کی فوج سے کہنے لگا یہ جوشِ وغا
کمالِ حزب سے اب دور ہو گیا عباسؑ
خوشی مناؤ کہ مجبور ہو گیا عباسؑ

لگا کے چھاتی سے مشکیزہ صرف اتنا کہا — خدا کرے یہ اطاعت کا حق ہو آج ادا
بغیر تیغ جو فوجوں سے چھین لوں دریا — ہر ایک موج سنائے یہ داستانِ وفا
گماں تھا قبضۂ ساحل تو بالیقین لیا
غلامِ سبطِ پیمبرؐ نے گھاٹ چھین لیا

علیؑ کا شیر بصد رونقِ حیات چلا — جلو میں لے کے وفاؤں کی کائنات چلا
علم اٹھائے ہوئے پیکرِ ثبات چلا — دلِ حرم کا سہارا سوئے فرات چلا
ستمگروں سے امیدِ حیات چھوٹ گئی
جو راستے میں تھی دیوارِ فوج ٹوٹ گئی

پہنچ گیا لبِ ساحل حسینؑ کا ہمدم — شغال چھپ گئے دیکھا جو شیر کا دم خم
کہا جری نے کہ اے سرکشانِ فوجِ ستم — بتاؤ فاتحِ نہرِ فرات تم ہو کہ ہم
اگرچہ جنگ تقاضائے انتقام نہیں
الٹ نہ جائے یہ لشکر تو اپنا نام نہیں

دمِ جدال ہے اور منہ چھپا کے بھاگتے ہو — قدم مصاف کی جانب بڑھا کے بھاگتے ہو
خود اپنی شمعِ ندامت جلا کے بھاگتے ہو — جہاں کو پشتِ ہزیمت دکھا کے بھاگتے ہو
قدم بتاتے ہیں غیرتِ نسب نہیں لگتے
تم اس ادا سے تو اہلِ عرب نہیں لگتے

تمہیں تو ناز تھا طاقت پہ کیا ہوئی طاقت — بڑا غرور تھا کثرت پہ کیا ہوئی کثرت
مدارِ جنگ تھا ہمت پہ کیا ہوئی ہمت — بہت اکڑتے تھے غیرت پہ کیا ہوئی غیرت
شکستِ فاش کے آثار چھوڑ کر بھاگے
عجیب مرد ہو تلوار چھوڑ کر بھاگے

جواب ہمہمۂ شمشیر کوئی کیا دیتا — شکست خو تھے وہ لشکر کے نامردِ وغا
غبارِ منشت کی مانند ہر طرف تھی قضا — بچاؤ، جان بچاؤ، کا شور تھا برپا
اجل جو خشک نصیبوں پہ مسکرائی تھی
علیؑ کے شیر کے قبضے میں سب ترائی تھی

یزیدیت کے تسلط سے جب چھٹا پانی   حسینیتؑ کے تصرف میں آگیا پانی
جری نے سوکھی ہوئی مشک میں بھرا پانی   خوشی سے ابرِ کرم ساتھ لے چلا پانی
کہا پکار کے دم ہے تو ٹوک دے کوئی
میں لے چلا ہوں بھری مشک روک لے کوئی

کہاں وہ چھپ گئے جو دیکھتے تھے فتح کے خواب   کہاں وہ بھاگ گئے جن کو تھا عزیز شباب
کہاں فرار ہوئے پھینک کر حیا کی کتاب   یہ کیسے مرد ہیں ڈالے ہیں جرأتوں پہ نقاب
انھیں ذرا بھی نہیں شرم بے وفائی کی
لڑوں میں ان سے یہ توہین ہے لڑائی کی

چلا خیام کی جانب جو مشک لے کے جری   سپاہِ شام کی دنیا میں کھلبلی سی مچی
کہیں سے تیر چلے اور کہیں سے تیغ چلی   عقب سے گرز لگا شیر ہو گیا زخمی
کٹا کے ہاتھ یداللہ کا جوان گرا
زمیں پہ مشکِ سکینہؑ کا پاسبان گرا

زمیں پہ گر کے کہا المدد امامِ امم   علم سنبھل نہ سکا ہاتھ ہو گئے ہیں قلم
پدر کھڑے ہیں سرہانے لبوں پہ آگیا دم   کرم غلام پہ اے اعتبارِ ابرِ کرم
امیدِ آب میں تشنہ دہاں نہ آجائے
مجھے یہ ڈر ہے سکینہؑ یہاں نہ آجائے

صدائے دَرد نے بے چین کر دیا شہؑ کو   کہا کہ اے علی اکبرؑ ذرا سہارا دو
نکل نہ آئے سکینہؑ کہیں پھوپھی سے کہو   مجھے اٹھانی ہے بھائی کی لاش ساتھ چلو
گھٹا کے قوّتِ بازو کمر بھی توڑ گیا
جوان بھائی ضعیفی میں ساتھ چھوڑ گیا

گئی جو خیمے کے اندر یہ جاں گداز خبر   سکینہؑ بیٹھ گئی شرم سے جھکا کے نظر
رُلا رہا تھا یہ غم دی تھی مشک کیوں لاکر   قلق تھا بھیج دیا کیوں چچا کو دریا پر
کہا خدا را بھتیجی سے قلب صاف کرو
میں شرمسار ہوں عمّو مجھے معاف کرو

چچی سے شرم کے مارے تو کچھ کہا نہ گیا   ادب سے گوشۂ چادر کا لے لیا بوسہ
اٹھا کے گود میں بہو نے فرطِ غم سے کہا   چچا کو بخش دو پانی پلا سکا نہ چچا
کرو نہ فکر یہ بھائی پلائیں گے پانی
مرے یتیم تو زندہ ہیں لائیں گے پانی

اُدھر تو خیمے میں گریاں تھی دخترِ سرورؑ   علیؑ کی بیٹی نے سر سے اتار دی چادر
ہر ایک بی بی کو آواز دی کہ آؤ اِدھر   ہوئیں وہ جمع تو بولی حسینؑ کی خواہر
میں مطمئن تھی کہ حیدرؑ کا شیر باقی ہے
یقین ہو گیا اب ہم ہیں اور اسیری ہے

یہ کل کی بات ہے قسمت پہ اپنے نازاں تھی　　بھرا تھا خانۂ سبطِ رسولؐ شاداں تھی
جلو میں جلوۂ عباسؑ تھا میں فرحاں تھی　　تمہارے پردوں کی بنتِ علیؑ نگہباں تھی

خود آج اپنے محافظ سے چھٹ گئی زینبؑ
کسی کے پردے کی ضامن نہیں رہی زینبؑ

****

سلام

ابھی نشانۂ غمہائے بے سبب ہے حسینؑ
فراتِ ذہنِ مسلماں پہ تشنہ لب ہے حسینؑ

بڑے شکوہ سے باطل سے جنگ جاری ہے
نہ تب یزید سے مرعوب تھا، نہ اب ہے حسینؑ

اب اس سے بڑھ کے محبّت کا قرب کیا ہوگا
اس انتشار میں انسان کی طلب ہے حسینؑ

جہاں کو مل گیا جس سے عصائے مظلومی
اس انقلاب کے کردار کا لقب ہے حسینؑ

جو زندگی کے شب و روز میں مقیّد ہیں
انھیں خبر نہیں تقدیرِ روز و شب ہے حسینؑ

حسینؑ آج ہے آوازِ سازِ ہستی کی
سمجھ رہا تھا زمانہ کہ جاں بہ لب ہے حسینؑ

ہر اک سخن کے تموّج میں خود نمائی ہے
جو خونِ دل سے مزیّن ہے وہ ادب ہے حسینؑ

○

سلام

گمرہی کا خطرہ ہے آفتاب کے بغیر
دین نامکمل ہے بوترابؑ کے بغیر

دین اک کتاب ہے آل بھی کتاب ہے
وہ کتاب کچھ نہیں اس کتاب کے بغیر

بوئے مجلسِ حسینؑ یہ ہے تیرا معجزہ
خُلد تک چلے گئے ہم حساب کے بغیر

دو عمل کے راستے، اک حسینؑ اک یزید
یہ عتاب کے بغیر، وہ ثواب کے بغیر

جانِ مصطفےٰؐ تری تربیت کا ہے اثر
کلیاں مسکرائی ہیں بن میں آب کے بغیر

منقلب ہوا اے زمیں، آفتاب ڈوب جا
مصطفےٰؐ کی بیٹیاں اور حجاب کے بغیر؟

◎

سلام

جسے بھی دیکھئے حاضر ہے سر جھکانے کو
علیؑ کے لالؑ نے کیا کر دیا زمانے کو

زرُوئے عقل یہ انصاف کا تقاضا ہے
کتاب ہے تو معلّم بھی ہو پڑھانے کو

رُکے حسینؑ تو دنیا کی گردشیں ٹھہریں
چلے حسینؑ تو چلنا پڑا زمانے کو

ترے نظام پہ تا حشر تیر برسیں گے
یزید مان لے بے شیر کے نشانے کو

یزیدیت کا عمل آج بھی بتاتا ہے
حسینیتؑ کی ضرورت ہے ہر زمانے کو

کوئی سمجھ نہ سکا اہلِ بیتؑ کی منزل
یہ وہ نفوس ہیں جو روک لیں زمانے کو

ہجومِ تیر و تبر میں عطش کے نرغے میں
کلیجہ چاہیئے اصغرؑ کا مسکرانے کو

کوئی تو پوچھتا خیمے جلانے والوں سے
یہ گھر نبیؐ نے بنایا تھا کیا جلانے کو

الحبیب پبلی کیشنز کی زیرِ طبع تصانیف

◎ اُردو مرثیہ اور دیگر اصناف

◎ حبیبؔ جونپوری ۔ شخصیّت اور فن

الحبیبؔ پبلی کیشنز
۲۵۳/الف ، رحمان پورہ ، لاہور ، پاکستان
نارتھ ناظم آباد ، کراچی

سید وحید الحسن ہاشمی کا مجموعۂ مراثی "العطش" کئی لحاظ سے اہم ہے۔ کلاسیکی روایت میں انفرادیت کا راستہ نکالنا جان جوکھوں کا کام ہے اور بڑے بڑے شاعر مرثیوں کی بندوں والی تکنیک میں اکثر اساتذہ کے مصرعوں کے مصرعے دہرانا شروع کر دیتے ہیں۔ حدود و قیود میں رہتے ہوئے اپنے لئے نیا راستہ نکالنا اور مرثیے کی زمین میں وسعت پیدا کرنا مشّاق اور خلّاق شاعر ہی کا کام ہے۔ وحید ہاشمی میں یہ دونوں صفات موجود ہیں۔ اسی لئے ان کے مرثیوں میں انیسؔ و دبیرؔ کی شان و شوکت بھی ہے اور روانی و محاکاتی کا انداز بھی۔ لیکن بزرگوں کے "مال" کو دہرانے کا وہ رویّہ نہیں، جو آج کل کے مرثیہ نگاروں کے ہاں عام ہو گیا ہے۔ کسی بندھی ٹکی سچویشن میں تر و تازگی قائم رکھنا بڑے سلیقے کی بات ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ انہوں نے حضرت امام حسین علیہ السّلام اور دیگر شخصیات کو انسانی صفات سے الگ نہیں کیا اور عقیدے کے جوش میں وہ غلو کی منزل تک نہیں پہنچے۔ اردو مرثیے میں "العطش" ایک اہم اضافہ ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

بزم اقبال
ار کلب روڈ - لاہور

العطش

